سیاست کا کھیل

سیاسی رہنما یوں خدمتِ صیاد کرتے ہیں
کہ صرصر کے عوض نقدِ چمن برباد کرتے ہیں

کہاں تک کوئی ان کی ہم نوائی پر ہو آمادہ
یہ ظالم آئے دن اک مخمصہ ایجاد کرتے ہیں

خود اپنی قوم سے جو کچھ کیا ان خردہ گیروں نے
اسی کی آڑ میں ہنگامہ و فریاد کرتے ہیں

کمال ان کا یہی ہے خانماں برباد لوگوں کو
کبھی آباد کرتے ہیں کبھی برباد کرتے ہیں

کہا اک رند نے کل شام یارانِ سرِ پُل سے
ہمیں دانشوروں کے طائفے برباد کرتے ہیں

کچھ ایسے باغباں اس مادرِ گیتی نے پالے ہیں
کہ ہر شاخِ نشیمن رہنِ برق و باد کرتے ہیں

(شورش کاشمیریؒ)

ماہنامہ نقیبِ ختمِ نبوت ملتان

۱۰ رمضان المبارک ۱۴۲۸ھ اکتوبر ۲۰۰۷ء

مولانا حسن جان شہید رحمۃ اللہ علیہ
عید الفطر......صدقۃ الفطر
انتخاب آمد، اتحاد برخاست
پاک اسرائیل دوستی؟
ہلالِ عید کب اور کہاں نظر آئے گا؟
جھوٹ کے پاؤں اور غیر ملکی بیساکھیاں

نورِ ہدایت

القرآن

''ہم نے اس قرآن کو شبِ قدر میں نازل کیا ہے اور تم کیا جانو کہ شبِ قدر کیا ہے؟ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ فرشتے اور روح القدس اس میں اپنے رب کے اذن سے ہر حکم لے کر اترتے ہیں۔ وہ رات سراسر سلامتی ہے طلوع فجر تک۔''

(سورۃ القدر)

الحدیث

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''روزہ اور قرآن دونوں قیامت کے روز بندے کے سفارشی بن کر آئیں گے۔ روزہ کہے گا پروردگار! میں نے اسے کھانے پینے اور شہوت سے روک رکھا تھا۔ اب تو اس کے لیے میری شفاعت قبول فرما! قرآن کہے گا میں نے راتوں کو اس کو نیند سے باز رکھا اب تو اس کے لیے میری شفاعت قبول فرما۔ آپ فرماتے ہیں دونوں کی سفارش قبول ہوگی۔'' (مسلم)

الآثار

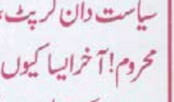

آج وطن عزیز وحشتوں کی زد میں ہے، مقتل انسانیت کی بدترین مثال ہے۔ عید کے پرمسرت موقع پر ہم اپنے رب کے حضور اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کی بجائے دین حق سے بغاوت اور یہود و نصاریٰ کی تہذیب وثقافت کی بھول بھلیوں اور دلکشیوں میں کھو گئے۔ نتیجتاً مسجدیں ویران، معاشی بدحالی، بدامنی، لوٹ کھسوٹ اور قتل وغارت گری عام۔ مسلمان، مسلمان کی جان کا دشمن، ملک خانہ جنگی کے دہانے پر، حکمران اور سیاست دان کرپٹ، قومی ادارے تباہ و برباد، رشوت انعام، جھوٹ فیشن اور آرٹ، مقننہ، عدلیہ اور انتظامیہ عوام کے اعتماد سے محروم! آخر ایسا کیوں ہے......؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم مسلمان من حیث القوم اپنی شناخت کھو چکے ہوں؟

ہم نام کے مسلمان اور عمل میں یہود و نصاریٰ کے تمدن اور تہذیب کے اسیر ہو چکے ہوں؟

اگر واقعی ایسا ہے تو پھر یقین مانیں کہ...... یہ وحشتیں اور کلفتیں اسی دورخے پن اور منافقت کی سزا ہیں۔

اے کاش! ایسا ہو سکتا کہ...... ہم عید اسی طرح مناتے جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منائی۔ ہم عید کی خوشیوں میں دنیا بھر کے معتوب و مظلوم مسلمانوں کو بھی شریک کرتے۔ اپنی دعاؤں، اخلاقی تعاون اور اپنی اجتماعی حمایت سے۔ مگر ہم نے تو انہیں یاد تک نہ کیا۔

ابنِ امیرِ شریعت سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ
(۱۰ر مئی ۱۹۹۵ء)

ماہنامہ نقیبِ ختمِ نبوّت ملتان

جلد 18 شمارہ 10 رمضان 1428ھ — اکتوبر 2007ء

Regd.M.NO.32, I.S.S.N.1811-541

بیاد ———

سید الاحرار حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

بانی ———

ابن امیر شریعت سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ

تشکیل

دل کی بات:	انتخاب آمد، اتحاد برخاست	مدیر	2
دین و دانش:	عید الفطر صدقۃ الفطر	سید ابوذر بخاریؒ	4
״	درس حدیث: شرم و حیا ایمان کا بڑا حصہ ہے	مولانا عبد اللطیف مدنی	7
״	اسلام میں تعلیم کی اہمیت	قاری محمد طیب قاسمیؒ	9
״	سیدہ عالم رضی اللہ عنہا	شاہ بلیغ الدین	14
״	اسلام میں موت کا تصور	حکیم محمود احمد ظفر	16
شاعری:	حمد باری تعالیٰ	مشیر نیازی	19
״	نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم	پروفیسر محمد اکرام تائب	20
״	ساقی	سید ابوذر بخاریؒ	21
״	صیام کے دن	سید عطاء المحسن بخاریؒ	22
״	آغازِ سحر	کامران رعد	23
افکار:	مولانا حسن جان شہید علیہ الرحمۃ	سیف اللہ خالد	24
״	جھوٹ کے پاؤں اور غیر ملکی بیساکھیاں	انیف کاشر	26
״	شر پسند اور خیر پسند	مولانا محمد عیسیٰ منصوری	29
״	''پاک اسرائیل دوستی کی ضرورت''	پروفیسر مشتاق خان کیانی	33
״	ضیاء الحق اور موجودہ حکمران	ڈاکٹر محمد عمر فاروق	40
״	گوا ستانا موبے میں قید ''آزاد شاعری''	ڈاکٹر عامر لیاقت حسین	43
״	استقبال اور استقبالیے	ڈاکٹر میاں احسان باری	46
شخصیات:	★ جانشین امیر شریعت سید ابوذر بخاری رحمہ اللہ	سید یونس الحسنی	48
״	★ آغا شورش کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ	پروفیسر خالد شبیر احمد	50
تحقیق:	ہلال عید (شوال) کہاں اور کب نظر آئے گا؟	پروفیسر محمد حمزہ نعیم	53
طنز و مزاح:	زبان میری ہے بات اُن کی	ساغر اقبالی	56
اخبار الاحرار:	مجلس احرار اسلام کی سرگرمیاں	ادارہ	57

زیرِ سرپرستی ———

حضرت مولانا خواجہ خان محمد مدظلہ

ابن امیر شریعت حضرت پیر جی

سید عطاء المہیمن بخاری

مدیر مسئول ———

سید محمد کفیل بخاری

معاون مدیر ———

شیخ حبیب الرحمٰن بٹالوی

رُفقائے فکر ———

پروفیسر خالد شبیر احمد

عبد اللطیف خالد چیمہ، سید یونس الحسنی

مولانا محمد مغیرہ، محمد عمر فاروق

آرٹ ایڈیٹر ———

محمد الیاس میرانپوری

ilyas_miranpuri@yahoo.com
ilyasmiranpuri@gmail.com

سرکولیشن منیجر ———

محمد یوسف شاد

زرِ تعاون سالانہ

اندرون ملک ——— 150 روپے

بیرون ملک ——— 1500 روپے

فی شمارہ ——— 15 روپے

ای میل ایڈریس
majlisahrar@hotmail.com
majlisahrar@yahoo.com

ترسیل زر بنام: نقیب ختم نبوت

اکاؤنٹ نمبر 5278-1

یو بی ایل چوک مہربان ملتان

تحریک تحفظ ختم نبوۃ شعبہ تبلیغ مجلس احرار اسلام پاکستان

مقام اشاعت: دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان ناشر: سید محمد کفیل بخاری طابع: تشکیل نو پرنٹرز

Dar-e-Bani Hashim, Mehrban Colony, Multan.(Pakistan)

رابطہ: دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان

☎061-4511961

دل کی بات مدیر

انتخاب آمد، اتحاد برخاست

صدارتی انتخاب کا بگل بج چکا ہے۔ آئندہ چند روز میں اونٹ کسی کروٹ بیٹھ ہی جائے گا۔ الیکشن کمیشن نے انتخابی قواعد میں سے دفعہ ۶۳ کا اطلاق ختم کر کے انتخاب سے قبل ہی موجودہ صدر جنرل پرویز کو دوبارہ صدر بننے کے لیے مضبوط راستہ فراہم کر دیا ہے۔ حزبِ اختلاف کی تمام سیاسی جماعتوں نے اس غیر آئینی اقدام کی شدید مذمت کی ہے اور الیکشن کمیشن کی غیر جانبداری کو مشکوک قرار دیا ہے۔ سپریم کورٹ نے بھی واضح طور پر کہا ہے کہ الیکشن کمیشن کو یہ اختیار ہرگز حاصل نہیں مگر یہاں تو ''جس کی لاٹھی اُس کی بھینس'' والا قانون رائج ہے۔ ملک کی سیاسی فضا میں فطری طور پر ارتعاش پیدا ہو گیا ہے۔ اکتوبر میں صدارتی انتخاب کے انعقاد کا اعلان ہو چکا ہے۔ اُدھر وکلاء کی طرف سے جسٹس (ر) وجیہہ الدین احمد صدارتی امیدوار نامزد ہو چکے ہیں۔ اپوزیشن استعفوں کے مخمصے میں پھنسی ہوئی ہے اور بھانت بھانت کی بولیوں میں منقسم ہے۔ نواز شریف اپنی لندن اے پی سی سے فراغت کے بعد سپریم کورٹ سے ملک میں آنے کا پروانہ لے کر اسلام آباد آئے اور سعودی عرب واپس بھیج دیئے گئے۔ اُن کی آمد اور واپسی بھی ایک متنازعہ ایشو ہے۔ جو...... ''اس آنے کو کیا کہیے، اس جانے کو کیا کہیے'' کے تبصروں میں تحلیل ہو گیا ہے۔ ایک سال سے بے نظیر بھٹو کی ڈیل موضوعِ بحث تھی جو تکمیل کے مراحل میں داخل ہو چکی ہے۔ وہ ۱۸/ اکتوبر کو وطن واپسی کا اعلان کر چکی ہیں۔ انھوں نے صدارتی امیدوار کے لیے مخدوم امین فہیم کو نامزد کر دیا ہے۔ اے پی ڈی ایم نے ۲۹/ ستمبر کو اسمبلیوں سے استعفوں کا اعلان کر دیا ہے۔ جب کہ متحدہ مجلس عمل کے سیکرٹری جنرل مولانا فضل الرحمٰن نے پشاور کے اجلاس کے بعد اے پی ڈی ایم کی طرف سے استعفوں کے فیصلے کی حمایت کرتے ہوئے اسے مرحلہ وار حکمتِ عملی سے مشروط کیا ہے۔ اُن کا کہنا ہے کہ ہم ایک ہی ترکش میں سب تیر نہیں چلائیں گے۔ مجلس عمل ایک سال سے استعفوں کا اعلان کر رہی ہے اور دیں گے نہیں دیں گے کے اعلانات میں بڑی مہارت کے ساتھ انھوں نے ایک سال پورا کر ہی لیا۔ اللہ کرے وہ کسی فیصلہ کن مقام پر پہنچ جائیں۔ اگرچہ اس عرصہ میں قاضی حسین احمد اور مولانا فضل الرحمٰن کے درمیان کئی مرتبہ خلیج پیدا ہوئی لیکن معلوم نہیں کہ کس ''مہربان'' نے یہ خلیج وسیع نہیں ہونے دی۔ آئندہ عام انتخابات مجلس عمل کے لیے سخت امتحان اور آزمائش کا درجہ رکھتے ہیں۔ مجلس کے رہنماؤں نے جس ایجنڈے پر گزشتہ عام انتخابات میں مثالی کامیابی حاصل کی تھی وہ اس سے انصاف نہیں کر سکے۔

وزیر اعظم شوکت عزیز نے گزشتہ دنوں اپنی تین سالہ کارکردگی کی رپورٹ صدر جنرل پرویز کو پیش کرتے ہوئے بڑے فخر سے کہا ہے کہ پہلی مرتبہ اسمبلیاں اپنی مدت پوری کر رہی ہیں۔ ہم نے بہترین کارکردگی کا مظاہرہ کیا ہے اور انتخابی

ضابطۂ اخلاق طے کرنے کے لیے میں اپوزیشن کو پھر مذاکرات کی دعوت دیتا ہوں۔'' کیسا انتخاب اور کیسا ضابطۂ اخلاق؟ الیکشن کمیشن جانبدار، تین سالہ کارکردگی میں علماء کے قتل، سانحۂ لال مسجد میں سینکڑوں بے گناہ طلباء وطالبات کا قتل، وزیرستان میں مسلمانوں کا خونِ بے گناہی، ڈمہ ڈولہ میں معصوم طلباء کا اجتماعی قتل، بے حیائی اور فحاشی کا سیلاب، کمرتوڑ مہنگائی کا تسلسل، دینی قدروں کی پامالی، پارلیمنٹ کی رسوائی۔ انتظامیہ کا شرمناک کردار اور عدلیہ کے وقار کی پامالی ایسے درجنوں ''گولڈ میڈل'' ہیں جو اُن کے اور اُن کے باس کے سینے پر لٹکے غضبِ الٰہی کو دعوت دے رہے ہیں۔ صدارتی انتخاب کے شفاف ہونے کا اندازہ اسی سے لگا لیجئے کہ وزیر اعظم نے پورے یقین کے ساتھ فرمایا ہے کہ جنرل پرویز مشرف ہی صدر منتخب ہوں گے۔ اُدھر صدر کے دوعہدے رکھنے کے خلاف سپریم کورٹ میں قاضی حسین احمد کی درخواست زیرِ سماعت ہے۔ چار درخواستیں خارج ہو چکی ہیں۔ باقی پر عدالتِ عظمٰی کا فیصلہ آج کل میں آنے والا ہے۔ ڈاکٹر شیر افگن اور چودھری شجاعت حسین نے سپریم کورٹ کے بارے میں گزشتہ ایک ماہ میں جو زبان استعمال کی ہے وہ بھی محلِ نظر ہے۔ فاضل جج نے صبر اور حکمت کے ساتھ اس صورت حال میں بھی عدالتِ عظمٰی کو متنازعہ نہیں بننے دیا۔

جنرل پرویز نے ۱۲؍اکتوبر ۱۹۹۹ء کو اقتدار پر قبضہ کرنے کے بعد قوم کے سامنے جو ایجنڈا پیش کیا تھا وہ کتنا پورا ہوا اور کتنا باقی ہے۔ یہ صرف صدر بش جانتے ہیں یا صدر پرویز لیکن ان آٹھ برسوں میں ملک کا جتنا نقصان ہوا' اتنا پہلے کبھی نہیں ہوا۔ جنرل پرویز نے ہمیشہ واضح طور پر کہا کہ نواز شریف اور بے نظیر اب انتخابات میں حصہ نہیں لے سکیں گے۔ وہ تیسری بار وزیر اعظم نہیں بن سکیں گے۔ لیکن ...... دوڑ پیچھے کی طرف اے گردشِ ایام تو'' کے مصداق وہ ۱۹۹۹ء میں واپس جا رہے ہیں۔ اور بے نظیر سے ڈیل کر رہے ہیں۔ پیپلز پارٹی، اے پی ڈی ایم اور متحدہ مجلس عمل کے کسی ایک فارمولے پر متفق نہ ہونے کی وجہ سے جنرل پرویز پھر فائدہ اٹھائیں گے۔ متحدہ اپوزیشن ہی جنرل پرویز کو شکست سے دوچار کر سکتی ہے مگر یہاں تو ''انتخاب آمد، اتحاد برخاست'' والی صورت حال ہے۔ اس کا جو نتیجہ نکلے گا' وہ بھی کسی سے پوشیدہ نہیں۔ جنرل پرویز صدر منتخب ہوں یا نہ ہوں، وردی اتاریں یا نہ اتاریں لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہزاروں ہم وطن بے گناہ مسلمانوں کا خونِ ناحق اُن کے سر ہے۔ انھوں نے آٹھ برسوں میں جو کانٹے دوسروں کے راستے میں بچھائے' اب اُسی راستے پر وہ خود چلنے پر مجبور ہیں۔ اُن کے اقتدار کا جھولا ہچکولے کھا رہا ہے۔ وہ اور کتنے دن مسندِ صدارت پر قابض رہتے ہیں؟ آخر انھیں جانا ہوگا۔ حساب دینا ہوگا اور قومی جرائم کی سزا بھگتنا ہوگی۔ انھیں بھی اور اُن کے ہم نوا قاف لیگ کے کبوتروں کو بھی۔ بلی تھیلے سے باہر آ گئی ہے۔ اب کبوتروں کی بھی خیر نہیں:

''یہ چار دن کی خدائی تو کوئی بات نہیں''
زوال تیرے تعاقب میں ہے زوال سے ڈر

افادات: جانشین امیرشریعت سید ابوذر بخاریؒ　　مرتب: سید محمد کفیل بخاری

عید الفطر......صدقۃ الفطر

(فضائل، احکام، مسائل)

تمہید:

عید الفطر بھی دیگر امتیازات دینیہ کی طرح ایک عظیم اسلامی شعار، ایک دوررس اخلاقی نصاب، ایک مسنون تفریح اور قومی مسرت اور خوشی کا مبارک دن ہے' جسے دنیاوالوں کے معمولات کے بالعکس اللہ نے بجائے ایک تہوار کے عبادت کی اہمیت برقرار رکھتے ہوئے اس میں بہ قدرضرورت تفریح کی آمیزش کر کے اسلام کی قوت وعظمت کو دوام بخش دیا ہے۔

ہر مرغوب ومحبوب شے کے حصول اور عزیز مقصد کے انجام پانے پر جب فطرۃً خوشی نصیب ہوتو دستور ہے کہ اس کے اظہار کی کوئی نہ کوئی صورت اور تدبیر ضرور اختیار کی جاتی ہے۔ اسلام نے بھی دین فطرت ہونے کی وجہ سے اس معصوم انسانی جذبہ کی پوری قدر کی اور دین فطرت کی قائل امت مرحومہ کی دلداری وعزت افزائی فرمائی۔ چنانچہ رمضان المبارک کے پاکیزہ مہینے میں مختلف قسم کی شبانہ روز عبادت وریاضت خوش اسلوبی سے مکمل کرنے پر یکم شوال کے دن چند خاص اعمال پر مشتمل ایک مظاہرہ مسرت وتفریح قانوناً مقرر کر دیا ہے۔

تحفہ عبودیت:

اپنی عزت وجاہت کے لیے نہیں بلکہ حصول اجر وثواب کی نیت کے ساتھ سچے دل سے دیئے ہوئے عطیہ کو صدقہ کہتے ہیں۔ اور ''فطر'' کا معنی ہے ٹوٹنا، کھلنا، جدا ہونا، تو صدقۃ الفطر کا مطلب ہوا۔ ماہ صیام کے جدا ہونے، روزہ کا عمل ٹوٹنے نیز کھانے پینے اور میاں بیوی کے میل جول کی بندش کھلنے پر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں خلوص قلب سے پیش کیا ہوا ''ہدیہ تشکر''

ہر چھوٹا بڑے کے لیے اور ہر ممنون اپنے محسن ومربی اور مرکز عقیدت تک کوئی تحفہ اور عطیہ کسی ذریعہ اور واسطہ کے ساتھ ہی پہنچانے جاتا ہے اور اس عمل کو اپنا فطری اور اخلاقی فرض، موجب سعادت اور باعثِ خیر وبرکت عمل یقین کرتا ہے۔ بعینہ اسی طرح فرماں بردار مخلوق جب خالق مطلق اور رب رحیم وکریم کے حضور اپنی بندگی اور توفیق عبادت وریاضت کی نعمت نصیب ہونے پر اظہار سرور فرحت کے لیے جبہ سائی کا ارادہ کرے تو فقراء ومساکین کا معروف طبقہ کہ جن لوگوں کی حالت عجز واحتیاج، پروردگار کو بڑی محبوب ہے۔ ان کو اپنا وکیل اور نمائندہ بنا کر بارگاہ صمدیہ کے مناسب ہدیہ نیاز پیش کرنے پر فطرۃً اور قانوناً ماموروں مجبور ہو جاتی ہے، یہ حاصل ہے، صدقۃ الفطر کی قانونی رسم اور شرعی ضابطہ کے اداء وتکمیل کا۔

خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنہیں تا زندگی اس روحانی فصل بہار سے دل ودماغ اور جسم وجان کے لیے کسب فیض و نور کا موقع ملتا ہے۔ ورزقنا اللہ ابداً......آمین! ہم سب کو اس نعمت عظمٰی کی قدر کرنی چاہیے۔

زکوٰۃ اور صدقات واجبہ کا نصاب:

ہر آزاد، عاقل، بالغ مسلم جو گھریلو ضروریات کے علاوہ ساڑھے باون تولے چاندی یا اس کی قیمت کے نقد روپیہ یا سونے یا اتنے وزن کے چاندی کے زیور یا اتنی قیمت کے سامان یا جائیداد یا تجارتی مال کا مالک ہو یا اس کے پاس موجود تمام اشیاء میں سے بعض یا سب کا مجموعہ مل کر ساڑھے باون تولے چاندی کی قیمت کے برابر ہو جائے یا پھر وہ بجائے چاندی کے ساڑھے سات تولے سونے یا اتنے وزن کے سونے کے زیورات کا مالک ہو تو اس پر زکوٰۃ کی طرح عید الفطر کے دن نماز کا وقت آتے ہی صدقۃ الفطر واجب ہو جاتا ہے۔ مگر اتنی مالیت پر زکوٰۃ کی طرح سال کا گزرنا ضروری نہیں۔

صدقۂ فطر:

ہر میاں بیوی پر صرف اپنی ذات کی طرف سے اور اپنے بے مال غیر بالغ یا بالغ مگر مجنون اولاد نیز اپنے نوکر اور خادمہ کی طرف سے صدقہ دینا واجب ہے۔ مال دار بالغ اولاد اور باقی گھر والے اپنا صدقہ خود ادا کریں۔ البتہ ان کا وکیل بن کر صدقہ وزکوٰۃ وغیرہ ادا کرنا درست ہے اور اگر کسی شخص نے بغیر ایک دوسرے کی اجازت کے از خود ہی اس کی طرف سے دے دیا تو وہ ''صدقہ نفلیہ'' بن جائے گا اور اصل آدمی پر صدقۃ الفطر بدستور واجب رہے گا۔ اس کو مستقلاً ادا کرنا ضروری ہے۔

عورت شریعت کے مطابق چونکہ اکثر احکام میں مرد کی طرح مستقل شخصیت وحیثیت کی مالک ہے۔ چنانچہ نقد اور غیر نقدی مال وغیرہ کے جمع اور خرچ میں اس کی ملکیت وحیثیت بھی مستقل ہے۔ لہٰذا اس پر صرف اپنی ذات کی طرف سے صدقہ دینا واجب ہے، اپنے شوہر اور اولاد کی طرف سے نہیں! اور اگر گھر میں صرف اس کے خاوند نے صدقہ ادا کیا تو اس سے عورت پر واجب شدہ صدقہ ادا نہیں ہوگا بلکہ اسے بہر حال اپنی زکوٰۃ، عشر اور قربانی کی طرح اپنا یہ صدقۃ الفطر بھی خود ہی براہ راست لازماً ادا کرنا پڑے گا ورنہ وہ گناہ گار ہوگی۔

صدقہ فطر میں پونے دو کلو گندم (احتیاطاً دو کلو) یا گندم کا آٹا یا ساڑھے تین کلو جَو (احتیاطاً چار کلو) یا جَو کا آٹا اور ستو یا چار کلو کھجور یا کشمش یا ان کی قیمت حاضر نرخ کے مطابق دینا واجب ہے۔ فقراء کی ضرورت کے لحاظ سے نقد پیسے دینا اولیٰ اور بہتر ہے تاکہ وہ غریب خود بھی کچھ خرید کر عید کی خوشی میں براہ راست حصہ دار بن سکے۔

نمازِ عید سے قبل صدقہ فطر ادا کرنا افضل اور مستحب ہے اور عید سے ایک دو روز قبل بھی ادا کرنا جائز ہے۔

صدقہ فطر کے مستحق......غیر مستحق:

رشتہ داروں میں حقیقی دادا، دادی، ماں، باپ، نانا، نانی، بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی، نواسہ، نواسی میں سے کسی کو بھی صدقہ فطر اور زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔ ایسے ہی شوہر، بیوی ایک دوسرے کو صدقہ فطر نہیں دے سکتے۔ اس کے علاوہ دیگر محتاج و مسکین عزیز واقارب میں سے سوتیلے دادا، دادی، سوتیلے ماں، باپ، حقیقی چچا، چچی، پھوپھا، پھوپھی، ماموں، ممانی، خالو، خالہ، حقیقی بھائی، بہن، بھتیجا، بھتیجی، بھانجا، بھانجی، اپنے سسر، ساس، سالہ، سالی اور بہنوئی سب کو زکوٰۃ وعشر کی طرح صدقۃ الفطر دینا جائز ہے۔

سادات قریش کی پانچ شاخوں کو صدقہ فطر سمیت تمام صدقات واجبہ، زکوٰۃ وعشر دینا جائز نہیں۔

حضور ﷺ کے ارشاد کے مطابق ''تمام صدقات، محمد اور آل محمد ﷺ کے لیے حلال نہیں۔ سادات بنو ہاشم کی پانچ شاخیں یہ ہیں (۱) آل علی (۲) آل عباس (۳) آل جعفر (۴) آل عقیل (۵) آل حارث (حضور ﷺ کے سب سے بڑے سوتیلے چچا حارث بن عبدالمطلب کی اولاد)

عید کے دن مسنون اعمال:

(۱) شرع کے موافق اپنی آرائش کرنا (۲) غسل کرنا (۳) مسواک کرنا (۴) حسب استطاعت کپڑے پہننا (۵) خوشبو لگانا (۶) صبح کو جلدی اٹھنا (۷) عیدگاہ میں جلدی جانا (۸) عیدگاہ جانے سے پہلے کوئی میٹھی چیز کھانا کھجور یا چھوارے کے طاق دانے کھانا مستحب ہے (۹) نماز عید سے پہلے صدقہ فطر ادا کرنا (۱۰) عید کی نماز عیدگاہ میں پڑھنا (بہ عذر شرعی شہر کی مسجد میں پڑھنا) (۱۱) ایک راستہ سے عیدگاہ جانا اور دوسرے راستہ سے واپس آنا (۱۲) عیدگاہ جاتے ہوئے راستہ میں اللّٰہ اکبر، لاالہ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر، اللّٰہ اکبر وللّٰہ الحمد آہستہ آہستہ کہتے ہوئے جانا۔ (سواری کے بغیر پیدل عیدگاہ جانا)

نماز عید کے احکام:

نماز عید کا وقت طلوع آفتاب یعنی اشراق کی نماز کے وقت کے ساتھ ہی شروع ہوجاتا ہے۔ اور زوال سے پہلے تک رہتا ہے۔ نماز عید سے قبل کوئی بھی نفل نماز گھر یا مسجد میں پڑھنا مکروہ ہے۔ یہ حکم عورتوں اور ان لوگوں کے لیے بھی ہے جو کسی وجہ سے نماز عید نہ پڑھ سکیں۔ نماز عید سے پہلے نہ اذان کہی جاتی ہے، نہ اقامت۔ یہ خلاف سنت اور بدعت ہے۔

طریقہ نماز:

دو رکعت نماز عید واجب مع چھے تکبیرات زائدہ کی نیت کرکے امام کے ساتھ پہلی تکبیر پر ہاتھ باندھ کر سبحانک اللّٰھم آخر پڑھ لیں۔ پھر دوسری اور تیسری تکبیر پر ہاتھ اٹھا کر چھوڑ دیں اور چوتھی تکبیر پر ہاتھ باندھ لیں، اب امام سورۃ فاتحہ اور کوئی دوسری سورۃ پڑھ کر پہلی رکعت مکمل کرے گا۔ دوسری رکعت میں امام جب فاتحہ اور کوئی سورۃ پڑھ لے تو اس کے ساتھ تینوں تکبیرات میں ہاتھ اٹھا کر چھوڑ دیں اور چوتھی تکبیر پر بغیر ہاتھ اٹھائے رکوع کرلیں۔ پھر باقی ارکان سمیت نماز پوری کرلیں۔ بعد از نماز حسبِ دستور دعا بھی مانگ لیں۔

خطباتِ عید:

نماز کے بعد دو خطبات سنت ہیں، انہیں خاموشی اور توجہ سے سننا چاہیے۔

جبری معانقہ ومصافحہ:

خطبہ کے بعد امام کو مصلّیٰ سے ہٹ کر ایک طرف ہوجانا چاہیے تاکہ لوگ آسانی سے منتشر ہوجائیں، اسی طرح نمازیوں کا ایک دوسرے کو یا امام کو سلام اور مصافحہ ومعانقہ کرنا اور عید کی مبارک باد دینا بھی ثابت نہیں۔ گردنیں پھلانگنا، جلدی اور تیزی سے لپکنا اور جبری معانقہ ومصافحہ، سلام اور مبارک باد دینے کی کوشش کرنا قطعاً غلط اور خلافِ سنت اور بدعت ہے۔ اس غیر مسنون عمل سے بچنے کی سعی کرتے رہنا چاہیے۔

درسِ حدیث

مولانا عبداللطیف مدنی

شرم وحیا ایمان کا بڑا حصہ ہے

بَابُ مَا جَاءَ اَنَّ الْحَیَاءَ مِنَ الْاِیْمَانِ

حَدَّثَنَا ابْنُ اَبِیْ عُمَرَ وَاَحْمَدُبْنُ مَنِیْعِ المَعْنٰی وَاحِدٌ قَالاَ نَاسُفْیَانُ بْنُ عُیَیْنَۃَعَنِ الزُّھْرِیِّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ اَبِیْہِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِرَجُلٍ وَھُوَیَعِظُ اَخَاہُ فِی الْحَیَاءِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْحَیَاءُ مِنَ الْاِیْمَانِ قَالَ اَحْمَدُ بْنُ مَنِیْعٍ فِیْ حَدِیْثِہٖ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سَمِعَ رَجُلاً یَعِظُ اَخَاہُ فِی الْحَیَاءِ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ وَفِی الْبَابِ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ .وَفِیْ رِوَایَۃٍ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رضی اللّٰہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْحَیَاءُ شُعْبَۃٌ مِّنَ الْاِیْمَان (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت سالم رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک آدمی کے پاس سے گزرے جو اپنے بھائی کو حیاء کے بارے میں سمجھا رہا تھا (یعنی تنبیہ کررہا تھا کہ اتنی شرم کیوں کرتا ہے، شرم نے تجھ کو نقصان پہنچایا ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے چھوڑ دو کیونکہ حیاء ایمان کا ایک حصہ ہے۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ حیا ایمان کا جز (شعبہ) ہے۔

تشریح: شعبۃٌ پر تنوین تعظیم کے لیے ہے اور معنی یہ ہے کہ حیاء ایمان کا ایک بڑا شعبہ ہے۔

حیا کے لغوی معنیٰ: وہ انقباض اور شرم جو ملامت یا کسی سزا کے ڈر سے انسان کے دل میں پیدا ہوتی ہے۔

حیا کے شرعی معنی: حیا وہ خلق اور فطری ملکہ ہے جو بری چیز سے رکنے پر آمادہ کرے اور صاحب حق کے حق میں کوتاہی کرنے سے روکے۔

حیا کی ایک جامع تعریف: ناپسندیدہ چیز کے ارتکاب کے خوف سے نفس کا رک جانا چاہے وہ شرعی ہو، عقلی یا عرفی۔ اب اگر مکروہِ شرعی کا ارتکاب کرتا ہے تو وہ فاسق کہلاتا ہے اور اگر مکروہ عقلی میں پڑتا ہے تو وہ مجنون و پاگل کہلائے گا۔ اور مکروہِ عرفی میں پڑے گا تو وہ بے وقوف کہلائے گا۔

معلوم ہوا کہ حیاء کی تین قسمیں ہیں۔ شرعی، عقلی، عرفی۔ حیا کا سبب اگر امرِ شرعی ہے اور حیا نہ کرنے میں آدمی شریعت میں ملامت کا مستحق ہوتا ہے تو حیا شرعی ہے۔ اور اگر حیا کا سبب امرِ عقلی ہے اور حیا کے ترک میں یہ عقل کے نزدیک ملامت کا مستحق ہوتا ہے تو حیا عقلی ہے۔ اور اگر حیا کا سبب امرِ عرفی ہے اور حیا نہ کرنے کی وجہ سے عرف میں مذمت اور ملامت کا حقدار قرار دیا جاتا ہے تو وہ حیا عرفی ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں ہے ''الحیاء خیرٌ کُلہ

سوال: ایمان کے بہت سے شعبے ہیں جن میں حیا بھی داخل ہے پھر ان میں سے صرف حیا کو مستقل کیوں ذکر کیا گیا؟

جواب: حیا ایک ایسا شعبہ ہے جس پر بہت سے شعبے مرتب ہوتے ہیں۔ بلکہ حیا ان کے وجود کا سبب بنتی ہے چنانچہ کہا

جاتا ہے'' بے حیاباش وہر چہ خواہی کن''، تو چونکہ حیا جھوٹ سے بچاتی ہے اس لیے اگر حیا ہوگی تو سوچے گا کہ اگر کل کو جھوٹ ظاہر ہوگیا تو کیا ہوگا؟ اسی طرح زنا، چوری وغیرہ غرضیکہ تمام برائیوں سے حیا بچاتی ہے۔ اس لیے خصوصیت سے اس کو ذکر فرمایا۔ شرم وحیا بے شک ایک فطری چیز ہے۔ ہر آدمی فطرت کے لحاظ سے با حیا ہوتا ہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان'' حیا ایمان میں سے ہے'' کا مطلب یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے تمہارے اندر فطری طور پر جو حیا رکھی ہے اس کو استعمال کرو اور اس نے جن چیزوں کے کرنے کا حکم دیا ہے انکو بجالانے کے لیے حیا سے کام لو اور جن امور سے منع کیا ہے ان سے کنارہ کشی کر کے حیا کے مقتضی پر عمل کرو۔ چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک فرمان میں اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے اسی کتاب ترمذی شریف میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

"قَالَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ :اِسْتَحْیُوْا مِنَ اللّٰہِ حَقَّ الْحَیَاءِ قَالَ:قُلْنَا :یَا رَسُوْلَ اللّٰہ ،اِنَّا نَسْتَحْیِیْ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ قَالَ :لَیْسَ ذَاکَ ، وَلٰکِنْ اَلْاِسْتِحْیَاءُ مِنَ اللّٰہِ حَقُّ الْحَیَاءِ اِنْ تَحْفَظُ الرَّأْسَ وَمَاوَعِیَ ، وَالْبَطْنَ وَمَاحَوٰلِیْ ، وَتَتَذَکَّرُ الْمَوْتَ وَالْبَلٰی ،وَمَنْ اَرَادَالْاٰخِرَۃَ تَرَکَ زِیْنَۃَ الدُّنْیَا،فَمَنْ فَعَلَ ذَالِکَ فَقَدْاِسْتَحْیَا مِنَ اللّٰہِ حَقُّ الْحَیَاءِ (ترمذی،حدیث ۲۴۵۸)

ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ سے جیسے حیا کا حق ہے اس طرح حیا کرو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا کہ اللہ کا شکر ہے یا رسول اللہ! ہم تو اللہ تعالیٰ سے حیا کرتے ہیں۔ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ یہ مطلب نہیں بلکہ اللہ سے حیاء کا حق یہ ہے کہ آدمی اپنے سر کی اور آنکھ کان وغیرہ جو اس میں شامل ہیں ان کی حفاظت کرے اور ان سب کو اللہ کی نافرمانی سے بچائے، اپنے پیٹ کو حرام کھانے سے دور رکھے، اپنی شرمگاہ کو بھی جو پیٹ کے ساتھ شامل ہے حرام سے بچائے، موت کو یاد کرے اور ہڈیوں کے بوسیدہ ہوجانے کا خیال کرے کہ یہ جسم کی تروتازگی برقرار نہیں رہے گی، جو آدمی آخرت کو اپنا مقصود سمجھتا ہے۔ وہ دنیا کی زیب وزینت کی طرف توجہ نہیں دیتا۔ جو آدمی یہ کام کرتا ہے وہ درحقیقت حیا کا حق ادا کرتا ہے۔''

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے حضرت جنید بغدادیؒ سے حیا کے سلسلہ میں جو فرمایا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ آدمی اللہ رب العزت کی نعمتوں کو اور اس سے جو اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرنے میں کوتاہیاں ہوتی ہیں دونوں کو پیش نظر رکھے، کسی کے کہنے کو تو ممکن ہے کہ وہ برا مان جائے اور توجہ نہ کرے لیکن وہ خود سوچے کہ اللہ تعالیٰ کے کتنے احسانات ہیں اور میری کوتاہیوں کی فہرست کس قدر طویل ہے اس سوچ وبچار سے جو جذبہ اطاعت کی کیفیت پیدا ہوگی وہ حیا ہے اس کے لیے خصوصی فکر واہتمام کی ضرورت ہے، افسوس ہے کہ دنیا کی چھوٹی چھوٹی اور حقیر خواہشات کے لیے بڑا اہتمام ہوتا ہے لیکن ہم کبھی تنہائی میں بیٹھ کر نہیں سوچتے کہ اللہ تعالیٰ کے ہم پر کتنے احسانات ہیں اور اس کے باوجود ہم کتنے قصوروار ہیں۔ منعم حقیقی اور اپنے خالق ومالک کا حق ادا کرنے میں کیسی کیسی کوتاہی ہم سے ہوتی رہتی ہے، ہمیں اس بات کا خصوصی اہتمام کرنا چاہیے۔ تھوڑا سا وقت اس کے لیے ضرور نکالنا چاہیے۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد یا قرآن مجید کی تلاوت کے بعد تھوڑی دیر سوچ لیا کریں رات کو سونے سے پہلے تھوڑا سا غور کرلیا کریں، اس کو اپنے معمولات میں داخل کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس ناکارہ کو بھی اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

حکیم الاسلام قاری محمد طیب قاسمی رحمہ اللہ

اسلام میں تعلیم کی اہمیت *

عزیز بچیو، محترم بہنو اور استانیو!

تعلیم کا مسئلہ بہت اہم مسئلہ ہے، دنیا کی کوئی قوم بغیر تعلیم کے ترقی نہیں کرسکتی۔ کسی قوم کی ترقی کا پہلا زینہ تعلیم ہے۔ اسلام میں سب سے پہلے پڑھنے ہی کی آیت نازل ہوئی فرمایا:

اِقْرَاءْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَق. (پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا) پھر آگے فرمایا:

اِقْرَاءْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَم (اور پڑھ تیرا رب بڑا کریم ہے، جس نے قلم کے ذریعے علم سکھایا) اسلام سے قبل کا زمانہ بداخلاقی، بداعمالی اور برائیوں سے بھرپور تھا۔ لیکن اس زمانہ کا نام بداخلاقی اور بدعملیوں کا زمانہ نہیں رکھا' بلکہ اس کا نام جہالت کا زمانہ رکھا۔ معلوم ہوا کہ ہر برائی کا سرچشمہ جہالت ہے اور اس کے مقابلہ میں اسلام کا بنیادی سرچشمہ تعلیم ہے۔

تعلیم کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے جتنا اہتمام کیا اور کسی چیز کے بارے میں نہیں کیا۔ سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو ان کے کھانے پینے اور پہننے کا انتظام نہیں کیا بلکہ اولاً تعلیم کا بندوبست کیا۔ جیسے وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّھَا. انہیں اشیاء کے نام سکھلا کر ملائکہ سے مقابلہ کرایا اور وہ کامیاب ہوئے تو خلافت سے بہرہ ور کیا اور خلافت کا تاج سر پر رکھا۔ اس کے بعد فرمایا: اُسْکُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُکَ الْجَنَّۃَ تو رہنے سہنے کا انتظام بعد میں ہوا، پہلے تعلیم کا انتظام کیا۔ معلوم ہوا کہ علم اور تعلیم کا بہت درجہ ہے۔ بغیر تعلیم کے حیوان اور انسان میں فرق نہیں کیا جاسکتا اور پھر اسی پر اکتفا نہیں کہ باپ کو تعلیم دیتے اور بس کرتے بلکہ اولاد کو بھی تعلیم دی۔

حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی پشت پر دایاں ہاتھ مارا تو نیک اولاد نکلی اور بایاں ہاتھ مارا تو بری اولاد نکلی اور اس کے بعد تمام کو وادیٔ فاران میں جمع کر کے ان (روحوں) سے خطاب کیا اور فرمایا:

اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ قَالُوْا بَلٰی. تو اس سے بھی مقصد تمام کو تعلیم دینا تھی۔ ربوبیت کے بارے میں' کہ میں تمہارا رب ہوں تو اس سے بھی تعلیم کا اہتمام معلوم ہوا۔ گویا دنیا ایک مدرسہ ہے اور تمام انسان اس کے طالب علم ہیں۔ اللہ تعالیٰ معلم ہیں اور انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے خصوصی شاگرد ہیں۔ تو دنیا کی پیدائش کا مقصد تعلیم ہے اور اس کے بعد عبادت ہے، حُسنِ معاشرت ہے۔

تعلیم کے سلسلہ میں ضرورت پڑتی ہے کہ طالب علم کے لیے وظیفہ ہو۔ تاکہ کھانا پینا اور رزق حاصل ہو تو اس کے لیے زمین اور دریا بنائے۔ مطالعہ کے لیے روشنی کی ضرورت ہوتی ہے تو چاند تارے اور سورج کو پیدا کیا۔ تو جب ہم اس

* جامعہ خیر المدارس ملتان کے شعبہ تعلیم النساء میں خواتین سے خطاب۔ ۵ محرم الحرام ۱۳۸۲ھ

دنیا سے قبر میں جائیں گے، اسی تعلیم سے متعلق سوال ہوگا۔ (مَنْ رَبُّکَ) اور اس کا امتحان ہوگا۔ یہ اوّل امتحان ہوگا اور بڑا امتحان میدانِ حشر میں ہوگا، کچھ کامیاب ہوں گے اور کچھ ناکام۔ کامیاب کو انعام دیئے جائیں گے اور ناکام کو سزا دی جائے گی اور اس امتحان میں تمام شریک ہوں گے۔ اس میں بوڑھے، جوان اور بچے کا لحاظ نہیں رکھا گیا۔ اگرچہ عالم ِارواح میں تمام روحیں یکساں تھیں مگر آخر عمر کے اعتبار سے جو پیدائش کے بعد جلدی مرے گا تو وہ بچہ، اور جوانی میں مرے گا وہ جوان اور بڑھاپے میں مرے گا وہ بوڑھا۔ تو ان روحوں میں بھی جوان، بچے اور بوڑھے اس اعتبار سے تھے اس لیے تعلیم کا اتنا لحاظ رکھا گیا کہ جوان بچے اور عمر رسیدہ تمام سے امتحان ہوگا۔ تعلیم ایک بنیادی چیز ہے اور دنیا کے آباد کرنے کا مقصد یہی ہے۔

تعلیم کا سلسلہ عورتوں کے لیے بھی بہت ضروری ہے۔ اس لیے کہ ابتدائی تربیت یہیں سے شروع ہوتی ہے۔ قوم کی تعلیم کا دارومدار ماں کی تعلیم پر ہے۔ اگر وہ جاہل رہی تو قوم جاہل رہے گی الا ماشاء اللہ۔ جس کی فطرت سلیمہ ہوا گر وہ عالم ہوئی تو اولاد بھی عالم ہوگی۔ اگر والدہ کے قلب میں تعلیم کی نورانیت موجود ہو تو بچے بھی اس نورانیت سے فیض یاب ہوں گے اور ماں نورانیت سے خالی ہے تو بچے بھی ایسے ہی رہیں گے۔ اسی لیے جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس وقت سب سے پہلے اس کی تعلیم کا اہتمام کیا جاتا ہے کہ دائیں کان میں اذان دی جاتی ہے۔ جس میں توحید و رسالت اور عبادات کا ذکر ہے تو اذان سے اس کو اصول وفروغ عقائد واعمال کی تعلیم دی جاتی ہے اور حی علی الفلاح میں اس کا انجام اور نتیجہ بھی بتادیا جاتا ہے کہ فلاح اور کامیابی ہے، جو آخرت میں تمہیں میسر ہوگی۔ تو ان تمام باتوں سے معلوم ہوا کہ اسلام میں تعلیم کا کتنا بڑا مرتبہ اور درجہ ہے۔ اسی لیے اس پر زور دیا کہ **طلب العلم فریضۃ علیٰ کل مسلم و مسلمۃ** (علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے) تاکہ علم حاصل کرنے کے بعد ہر مسلمان مرد اور عورت کو معلوم ہو جائے کہ میں مسلمان ہوں اور مسلمانوں کے کیسے اخلاق ہونے چاہئیں۔ چھوٹوں پر شفقت، بڑوں سے ادب واحترام سے پیش آنا، رہنے سہنے اور حسنِ معاشرت کا طرزِ عمل معلوم ہو۔ اس لیے تعلیم واجب قرار دے دی گئی ہے۔ تمام پر، خواہ مرد ہو یا عورت۔ اس کے بعد دوسرے اعمال کی تعلیم دی جاتی ہے۔ جیسے کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ''جب سات سال کا بچہ ہو جائے تو اس کو عبادت کی طرف متوجہ کر دیا جائے۔''

تو حقیقت میں یہ مقصد عورتوں سے ہی حاصل ہوتا ہے کہ جب ماں تعلیم یافتہ ہوگی، بچے کو بھی تعلیم سے آشنا کرے گی جس سے اس کے اخلاق سدھر جائیں گے اور بالفرض ماں بچے کو تعلیم بھی دے مگر وہ ماں نیکوکار اور بااخلاق ہے تو اس کی نیکوکاری اور حسنِ اخلاق کی بدولت اولاد بھی دین دار بن جائے گی۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ جو قوم میری فرماں برداری کرتی ہے تو میں اس کی سات پشتوں تک اور سات نسلوں تک رحمت کی دعا کرتا ہوں اور اگر وہ فرماں برداری نہ کرے تو اس کی سات پشتوں تک لعنت بھیجتا ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ والدین کی نیکوکاری اور بدکاری کا کتنا بڑا اثر ہے جو سات پشتوں تک جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ والدین جیسے

ہوں ویسے ہی ان کے بچے بھی اثر قبول کرتے ہیں۔ اگر والدین عالم ہیں تو بچے میں بھی علم کا اثر موجود ہوگا۔ کہ وہ جائز و ناجائز کے مسائل پر گفت وشنید کرتا ہوگا۔ اگر دکاندار ہیں تو بچے میں بھی دکانداری کے اثرات حساب وغیرہ کچھ نہ کچھ موجود ہوں گے۔ اگر والدین کھیتی باڑی کرتے ہیں تو بچے میں بھی اس کا اثر موجود ہوگا۔ تو یہ اثر ہے ماں باپ کے ماحول کا بچے پر۔

اب سب سے پہلا حق انسان پر اپنے نفس کا ہے اور دوسرا حق اولاد کو پڑھانا کہ وہ صحیح راستہ پر چلے یعنی مخلوق کا ہے اور تیسرا حق معاشرے کا ہے اور یہ تینوں علم پر موقوف ہیں تو جتنا علم حاصل کریں گے خاندان علمی بنتا جائے گا اور ماحول خوشگوار ہوتا جائے گا۔

امیر عبدالرحمٰن خان والیٔ کابل کے والد امیر دوست محمد خان کا واقعہ ہے کہ اس کے ملک پر کسی نے چڑھائی کی۔ اس کی سرکوبی کے لیے اس نے ایک فوج اپنے ولی عہد شہزادے کے ہاتھ بھیجی۔ دو تین دن کے بعد اطلاع آئی کہ شہزادے کو شکست ہوئی اور وہ دوڑتا ہوا آرہا ہے اور دشمن اس کے پیچھے ہے۔ اس بادشاہ کو بہت صدمہ ہوا اور کئی غم سوار ہوئے۔ شکست کا غم، شہزادے کا غم، شہزادے کی کمزوری کا اور قوم کی ملامت کا۔ تو وہ اس غم کے اندر محو ہوکر گھر آیا اور بیگم صاحبہ سے تمام قصہ سنایا۔ بیگم نے کہا یہ سارا قصہ غلط ہے۔ امیر نے کہا سی آئی ڈی کی رپورٹ ہے وہ کیسے غلط ہوسکتی ہے مگر بیگم نہ مانی کہ شکست ہرگز نہیں ہوسکتی۔ تو بادشاہ گھر سے نکل آیا کہ یہ عورت ہے یہ مرغی کی ایک ٹانگ ہانکے گی۔ دوسرے دن اطلاع آئی کہ وہ خبر غلط ہے شہزادہ فتح پاکر واپس آرہا ہے، بادشاہ خوشی خوشی گھر گیا اور بیگم سے کہا واقعی تمہاری بات سچی رہی کہ شہزادہ کامیاب ہوکر آرہا ہے۔ اس پر بیگم نے شہزادے کی سلامتی اور فتح یابی پر اللہ کا شکر ادا کیا۔ بادشاہ نے پوچھا کہ تجھے کیسے معلوم ہوا تھا کہ شکست نہیں کھا سکتا۔ کیا دلیل ہے تیرے پاس کہ میری پوری حکومت کو تو نے جھٹلایا۔ اس نے کہا کچھ نہیں صرف اللہ تعالیٰ نے میری لاج رکھ لی ہے، یہ میرا راز ہے میں اس کو فاش نہیں کرنا چاہتی۔ آخر اصرار کرنے پر بتایا کہ جب یہ شہزادہ میرے پیٹ میں آیا تو میں نے اس وقت سے عہد کرلیا تھا کہ میرے پیٹ میں مشتبہ لقمہ نہیں آنا چاہیے اس لیے کہ حلال غذا سے اچھی طبیعت اور اچھے اخلاق بنتے ہیں اور حرام غذا سے طبیعت فاسد ہوتی ہے اور اخلاق رذیلہ پیدا ہوتے ہیں۔ یہ شہزادہ نو مہینے تک میرے پیٹ میں رہا اور ایک لقمہ غذا کا میں نے ایسا نہیں کھلایا جو مشتبہ ہو۔ اس لیے اس کے اخلاق رذیلہ اور برے نہیں ہوسکتے۔ شہید ہونا یہ اچھا خلق ہے اور پشت پھیرنا اچھا خلق نہیں ہے، شہزادہ شہید تو ہوسکتا ہے اور کٹ کٹ کے مرسکتا ہے مگر پشت پھیر کے فرار نہیں ہوسکتا اور پھر اس پر بس نہیں کیا۔ بلکہ جب یہ شہزادہ پیدا ہوا تب بھی مشتبہ غذا استعمال نہیں کی تاکہ اس غذا سے دودھ بن کر اس کے اخلاق پر اثر انداز نہ ہو اور جب دودھ پلاتی تو وضو کرکے اور دو رکعت نفل ادا کرکے پلاتی اس لیے ان چیزوں سے شہزادے کے اخلاق بہت بلند ہونے چاہئیں۔ اس لیے میں نے تمہاری ساری فوج اور حکومت کی بات کو جھٹلایا مگر اپنے قول سے باز نہ آئی۔

جب امیر دوست محمد کی بیگم اتنی متقی بن سکتی ہے جبکہ آرام وعیش کے تمام اسباب موجود ہیں۔ تخت پر بیٹھ کر متقی بن سکتی ہے تو ہماری آج کل کی بہنیں جھونپڑیوں میں رہ کر کیوں کامل نہیں ہوسکتی ہیں جو رکاوٹیں ان کو تھیں وہ تمہیں نہیں۔

بعض لوگ حیلہ باز ہوتے ہیں اور ہر کام اور ہر بات میں حیلہ تلاش کرتے ہیں مگر حیلوں سے کچھ نہیں بنے گا اور یہی حیلہ کرنے والے قیامت کے دن بھی حیلہ سازی کریں گے اور کہیں گے کہ ہمیں وقت نہیں ملا اس لیے اطاعت نہیں کی' بلکہ دولت میں مشغول رہے اور اس سے فرصت نہیں ملی' تو اللہ تبارک وتعالیٰ حضرت سلیمان اور حضرت یوسف علیہم السلام کو پیش کریں گے کہ باوجود اتنی دنیا اور دولت کے اللہ کے مقبول بندے اور نبی ہیں۔ ایسے حضرات صحابہ کرام جیسے مردان باہمت تھے ان کی عورتیں بھی ایسی تھیں اور ایسے ہی ازواج مطہرات بھی۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں میری وحی کا آدھا علم تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سے اور آدھا علم صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سیکھو۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بہت بڑے بڑے درجہ کے تابعین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جیسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ شاگرد رہے ہیں۔ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وحی کا آدھا علم سیکھ سکتی ہیں تو آج کل کی بہنیں' ابتدائی حالاتِ اسلام اور معاملات کا علم بھی حاصل نہیں کر سکتیں؟

امام ابوجعفر طحاویؒ کی حدیث کی کتاب کی املا اس کی لڑکی نے لکھی تھی آج تمام امت پر اس کا احسان ہے۔ حضرت رابعہ بصریؒ بڑے صوفیا میں سے گزری ہیں۔ فقہ کی کتاب ''بدائع الصنائع'' کی وجہ تصنیف یہ ہوئی کہ ایک بہت بڑے محدث کی لڑکی بڑی عالمہ اور محدثہ تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ بہت حسین وجمیل بھی تھی۔ بڑے بڑے علماء کے پیغامِ نکاح کے لیے آئے اور ایسے ہی سلاطین وغیرہ سے بھی۔ مگر تمام سے لڑکی کا علم زیادہ تھا اس لیے پیغام قبول نہیں ہوتا تھا۔ اس لڑکی نے یہ شرط مقرر کی کہ تمام علماء فقہ میں کتابیں تصنیف کریں' جس کی کتاب مجھے پسند ہوگی میں اس سے نکاح کرلوں گی۔ اس پر ہزاروں کتابوں کی تصنیف ہوئی تو اسے ''بدائع الصنائع'' پسند آئی اور اسی سے اس نے نکاح کرلیا۔[1]

آج کل اگر ہماری بہنیں کمال اور مہارت حاصل نہ کرسکیں تو کم از کم حقوق کی ادائیگی کا علم تو حاصل کرلیں کہ خاوند کے یہ حقوق ہیں اور بچوں کے یہ حقوق اور ہمسایوں کے یہ حقوق ہیں۔

وقائع میں لکھا ہوا ہے کہ سلجوقی کے عہد میں مدرسہ نظامیہ بنایا گیا۔ شیخ تقی الدین ابن دقیق العید اس مدرسہ کے صدر مدرس تھے۔ کچھ عرصہ بعد مدیر کو معلوم ہوا کہ پڑھنے والوں کی نیتیں فاسد ہیں تو ارادہ کیا کہ مدرسہ کو ختم کردوں مگر خیال آیا کہ ایک دفعہ دیکھ لوں کہ واقعی سب کی نیتیں فاسد ہیں یا نہیں۔ چنانچہ ایک رات نظام الملک خود آیا اور ایک ایک طالب علم سے سوال کرتا رہا کہ تم کس لیے پڑھ رہے ہو؟ کوئی جواب دیتا کہ میرا والد بادشاہ کا قاضی ہے میں اس لیے پڑھ رہا ہوں کہ میں بھی قاضی بن جاؤں۔ کوئی کہتا کہ میرا والد بہت معروف اور مشہور عالم ہے اطراف میں اسکی شہرت کا ڈنکا بج چکا ہے تو میں اس لیے پڑھ رہا ہوں کہ میری بھی شہرت ہوجائے وغیر ذالک۔

نظام الملک نے دیکھا کہ تمام طلباء کی نیتیں فاسد ہیں تو تہیہ کرلیا کہ مدرسہ کو بند کردیا جائے۔ میرے لاکھوں

[1] ۔ بہت سے فتوے اس کی بیوی کے دستخطوں سے شائع ہوا کرتے تھے۔

روپے ضائع ہو رہے ہیں، صحیح نیت سے کوئی نہیں پڑھتا کہ ثواب حاصل ہو جائے۔ اس فیصلہ پر پہنچ چکا تھا کہ اس کی نظر ایک طالب علم پر پڑی جو مطالعہ میں مستغرق تھا۔ نظام الملک اس کے پاس گیا۔ مگر اس طالب علم نے کتاب سے ایک لمحہ کے لیے نگاہ نہ اٹھائی پوچھا تم تو بڑے مستغنی ہو؟'' کہا میرا مقصد کتاب کا مطالعہ کرنا ہے چہروں کا مطالعہ کرنا نہیں'' نظام الملک نے پوچھا۔ تمہارا ایک منٹ کے لیے حرج تو ہوگا لیکن یہ بتاؤ آپ کا اس پڑھنے سے کیا مقصد ہے؟ تو اس نے کہا ''میں نے ماں باپ سے سنا ہے ہمارا ایک رب ہے۔ جس نے ہمیں زندگی عطا کی ہے تو وہ ایک محسن ہے اور اس کے حقوق مجھے معلوم نہیں، تو میں محسن کے حقوق جاننے کے لیے تعلیم حاصل کر رہا ہوں''۔ نظام الملک نے کہا میرا تو ارادہ اس مدرسہ کو توڑنے اور بند کرنے کا تھا لیکن جب تک تم اس میں پڑھتے رہو گے تمہاری وجہ سے مدرسہ جاری رہے گا۔ یہ طالب علم غزالی تھے چنانچہ نظام الملک نے اس مدرسہ کو باقی رکھا۔

معلوم ہوا اصلی مقصد علم سے حقوق کی ادائیگی ہے اور ہم میں سے کون ہے جس پر حقوق نہیں ہیں۔ بلکہ مرد ہو یا عورت، چھوٹا ہو یا بڑا تمام پر حقوق ہیں تو ان حقوق کے بتانے کے لیے تعلیم سکھائی جاتی ہے۔ تعلیم ایک فطری چیز ہے کہ فطرۃً محسن کا حق ادا کرنا چاہیے اور عقلی بھی ہے تو جو جاہل ہوگا وہ اپنے محسن کو نہیں پہچان سکے گا اور اس کے حقوق سے بھی واقف نہیں ہوگا اور اس کی ادائیگی سے بھی قاصر رہے گا۔ عقل اور فطرت کے خلاف چلنے والے کا انجام سمجھ لیں کیا ہوتا ہے؟

ماہانہ مجلس ذکر و اصلاحی بیان

25 اکتوبر 2007ء
جمعرات بعد نماز مغرب

ابن امیر شریعت
حضرت پیر جی
سید عطاء المہیمن بخاری دامت برکاتہم
امیر مجلس احرار اسلام پاکستان

دارِ بنی ہاشم
مہربان کالونی ملتان

الداعی　سید محمد کفیل بخاری ناظم مدرسہ معمورہ دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان　061-4511961

دینی، تاریخی، سیاسی، ادبی اور
اصلاحی کتابوں کا معیاری ادارہ

دینی مدارس کے طلباء کے لیے وفاق المدارس
کا تمام نصاب سب سے زیادہ رعایتی قیمت پر

علماء حق کا ترجمان
المیزان
ناشران و تاجرانِ کتب

الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور　042-7122981-7212762

شاہ بلیغ الدین

سیدۂ عالم رضی اللہ عنہا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ...... بیٹی! کیا تم اس بات کو پسند کرتی ہو جس کو میں پسند کرتا ہوں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ...... جی ہاں! تاریخ اور حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ہر اس چیز سے محبت کرتی تھیں جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محبت کرتے تھے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ایک واقعہ ہے کہ ایک دن حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لے گئے لیکن دروازے تک پہنچ کر رک گئے اور پھر الٹے پاؤں لوٹ گئے۔ اتنے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اپنے گھر پہنچ گئے۔ یہ بات کہ اللہ کے رسول گھر تک آئے اور گھر میں داخل نہ ہوئے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بھی معلوم ہو گئی تھی۔ انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس کا تذکرہ کیا۔ یہ سن کر دونوں اسی وقت جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور بڑے ادب سے آپ کے لوٹ جانے کی وجہ پوچھی۔ اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہ میں سے کسی کو بھی یہ معلوم ہوتا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کسی بات پر ناراض ہیں تو ان کی نگاہوں میں دنیا تاریک ہو جاتی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضی اور بھی معنی رکھتی تھی۔ اس لیے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر دونوں نے چاہا کہ جو غلطی یا سہو ان کے گھرانے سے ہوا ہے اسے فوری دور کر دیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ...... میں نے تمہارے گھر کے دروازے پر ریشمی پردہ لٹکا ہوا دیکھا تو لوٹ آیا کہ...... مجھے دنیا سے کیا مطلب؟ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لیے اور اپنے اہل وعیال کے لیے سادہ زندگی کو پسند فرمایا تھا۔ حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ نے کہا...... آپ ہمیں حکم دیں کہ ریشمی پردے کے بارے میں آپ کیا چاہتے ہیں۔ ارشاد ہوا کہ...... اسے فلاں شخص کے گھر والوں کے پاس بھیج دو۔ وہ ضرورت مند ہیں۔ مطلب تھا کہ وہ اسے بیچ کر اپنی ضرورت پوری کر لیں گے۔ حضرت فاطمہؓ کونسی ان چیزوں کی دلدادہ تھیں۔ کہیں سے یہ پردہ آ گیا تھا تو اسے کام میں لے آئی تھیں۔ اب معلوم ہوا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند نہیں تو فوراً اسے اتار کر اللہ کے نام پر دے دیا کہ نبوی تربیت کا تقاضا یہی تھا۔

وہ جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ تم اسے پسند کرو جسے میں پسند کروں۔ اس واقعے کی تفصیل صحیحین میں ہے۔ امام بخاری کے پاس کتاب الھبہ میں اور امام مسلم کے پاس باب فضائل میں کہ ایک مرتبہ امہات المومنین میں سے کچھ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا۔ گزارش یہ تھی کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم صحابۂ کرام سے فرمائیں کہ وہ صرف اُس دن تحفے اور ہدیئے نہ بھیجیں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس مقیم ہوں بلکہ بلا امتیاز ہر بیوی کی باری کے دن تحفے بھیجا کریں۔ اس بارے میں ایک

مرتبہ اس سے پہلے ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بھی گفتگو کر چکی تھیں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ازواجِ مطہرات میں سے چند کا یہ پیام اللہ کے رسول کو پہنچایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ......اے بیٹی! کیا تم اس بات کو پسند کرتی ہو جسے میں پسند کرتا ہوں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا۔ جی ہاں یا رسول اللہ! تو آپ نے فرمایا کہ......پھر تم عائشہ سے محبت کرو!

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حضورِ اکرم محبت سے ''حمیرا'' پکارا کرتے، کبھی ''یا عائش!'' پکارتے۔ ارشاد تھا کہ سوائے ان کے کسی اور کی چادر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نہیں اتری۔ امت کی عورتوں کو جتنا علم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ملا کسی اور سے نہیں ملا۔ ان کی فضیلت کے لیے یہی ایک بات کیا کم ہے۔ امت مسلمہ کو تیمّم کی سہولت انھیں کی وجہ سے ملی۔ قرآن اُن کی عظمت کی تصدیق کرتا ہے۔ اسی لیے جبرئیل علیہ السلام رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے انھیں سلام کہلواتے۔ امہات المومنین میں کوئی اور نہیں جس نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے برابر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے علم سیکھا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے صحابہ رضوان اللہ علیہم قرآن وحدیث پر ان کی نظر کے قائل تھے اور ان سے فقہی مسائل میں مشورہ کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے تبلیغ دین کے لیے انھیں بیوگی کی لمبی عمر دی۔ اس دوران میں جو فیض ملتِ اسلامیہ کو ان کی ذات سے پہنچا وہ ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔ شاید اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آسمانوں پر اپنے محبوب رسول سے شادی کی اور انھیں غیر معمولی قرآنی بصیرت سے سرفراز فرمایا۔ عورتوں میں سب سے زیادہ حدیثیں انھیں نے روایت کیں۔ ان کی ادبی شان بھی سب سے جدا ہے۔ ملت کی نئی نسل کو جو تربیت انھوں نے دی، اس کی مثال دنیا کی کوئی عورت پیش نہیں کر سکتی۔ ملت کی علمی اور اخلاقی تربیت کے ساتھ ساتھ وقت آنے پر انھوں نے ملت کی سیاسی رہنمائی کا گراں بہا فریضہ بھی انجام دیا۔ فقہ اسلام کے ایک تہائی سے زیادہ مسائل ان کی وجہ سے حل ہوئے۔ وہ مومن ماں باپ کے گھر میں پیدا ہوئیں اور انھیں کو حشر میں شافع محشر صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پکڑ کر اٹھنے کا شرف حاصل ہوگا۔ امام بخاری کا کہنا ہے کہ......جس طرح مردوں میں خاتم المعصومین سب سے افضل ہیں اسی طرح عورتوں میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سب سے افضل ہیں۔

حکیم محمود احمد ظفر

اسلام میں موت کا تصور

جو شخص اس دنیا میں آیا ہے' اس نے ایک نہ ایک دن اس دنیا سے جانا بھی ہے۔اس دنیا میں لوگوں نے بڑی بڑی ہدایات کا انکار کیا۔اللہ کے وجود کا انکار کیا،انبیاء علیہم السلام کی نبوت کا انکار کیا۔روز قیامت کا انکار کیا لیکن جب سے یہ دنیا وجود میں آئی ہے' اس وقت سے لے کر آج تک ایک متنفس بھی ایسا نہیں گزرا جس نے موت کا انکار کیا ہو۔اسی وجہ سے قرآن حکیم میں موت کے لیے یقین کا لفظ استعمال ہوا ہے۔''واعبد ربک حتی یاتیک الیقین''(الحجر:۹۹)

یعنی موت آنے تک اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہو۔

اسلام میں موت کے معنی وہ نہیں ہیں جو دوسرے مذاہب میں ہیں۔دوسرے مذاہب میں موت کا مطلب ہے فنا ہو جانا،معدوم ہو جانا مگر اسلام میں موت کے معنی ہیں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو جانا۔گویا موت کے ذریعے سے آدمی عالم دنیا سے عالم برزخ میں منتقل ہو جاتا ہے' فنا نہیں ہوتا۔امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ آدمی جس جسم اور روح کے ساتھ اس دنیا میں آیا ہے یہی جسم وروح اس کا عالم برزخ میں ہوگا۔یہی عالم آخرت میں اور یہی جسم وروح جنت اور جہنم میں جائیں گے۔اس لحاظ سے گویا انسان ازلی تو نہیں لیکن ابدی ضرور ہے۔

برزخ کا معنی چونکہ پردہ ہے لہٰذا اس دنیا میں رہتے ہوئے ہم اس پردے کے پیچھے کی دنیا کے بارے میں کچھ نہیں جان سکتے۔صرف اتنا ہی جانتے ہیں جتنا لسانِ نبوت نے ہمیں بتایا ہے یا ان لوگوں نے ہمیں اطلاع دی ہے جن کی نگاہیں اس پردے کے پیچھے کی دنیا کو بھی دیکھتی ہیں۔چنانچہ بعض دفعہ ہم اپنی جہالت اور ناواقفیت کی وجہ سے ان باتوں کا انکار بھی کر دیتے ہیں جن کو ہماری نگاہیں نہیں دیکھ رہی ہوتیں جیسے عذابِ قبر وغیرہ۔

دنیا کی اس حرص وآز کی زندگی میں اکثر وبیشتر آدمی موت وحیات کے خالق کو بھول کر بے راہ روی کی زندگی گزارنے لگتا ہے دنیا کا عیش وآرام اسے اپنے خالق ومالک سے غافل کر دیتا ہے۔اس وجہ سے حکیم انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی یاد کے لیے ایک ایسا مجرب نسخہ یہ بتایا کہ

اذکروا ذکر ھازم اللذات الموت (رواہ الترمذی والنسائی وابن ماجہ)

یعنی تمام لذتوں کو تباہ وبرباد کر دینے والی چیز ''موت'' کو اکثر یاد کیا کرو۔

جب موت کا حقیقی تصور انسان کے رگ وپے میں رچ بس جائے تو پھر وہ اس دنیا میں خدا فروش اور خدا ناآشنا لوگوں کی طرح اپنی زندگی نہیں گزارے گا بلکہ ہر وقت اپنے اعمال کے محاسبہ کی فکر اسے لگی ہوگی۔وہ گناہوں کی غلاظت سے ایسے بچے گا جیسے ایک لطیف اور نفیس فطرت انسان گندگی اور غلاظت سے اجتناب کرتا ہے۔چنانچہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو خصوصی طور پر موت ہی کی یاد دلائی جو عرب کے جاہلی اور خدا ناآشنا معاشرہ میں خدا فراموشی کی زندگی گزار رہے تھے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے رئیس ابوسفیان بن حرب اور ان کی اہلیہ ہند بنت عتبہ کو ان الفاظ میں اپنی دعوت پیش فرمائی:

''بخدا! تمہیں ضرور مرنا ہے اور اس کے بعد تم اٹھائے جاؤ گے۔ پھر جو اچھا ہوگا وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس کے اعمال برے ہوں گے، وہ جہنم کا لقمہ بنے گا۔ یہ جو میں نے کہا بالکل صحیح اور درست کہا۔ اور تم دونوں پہلے شخص ہو جن کو میں ڈرا رہا ہوں۔''

موت کی یاد کے اثرات چونکہ براہِ راست قلب پر پڑتے ہیں۔ لہٰذا انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا ایک طریقہ موت کی یاد دلانا ہے۔

سیدنا حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے سیدنا آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کو پیدا فرمایا تو ان کی تعداد کئی ارب تھی۔ ان کو اتنی تعداد میں دیکھ کر فرشتوں نے بارگاہ الوہیت میں عرض کیا: یہ تمام اولاد آدم زمین و آسمان میں نہ سما سکے گی۔ حق تعالیٰ شانہ نے فرمایا کہ میں موت کو پیدا کروں گا۔ فرشتوں نے عرض کیا: بارالٰہی! اگر موت کو پیدا کیا گیا تو ان کی زندگی خوش گوار نہ رہے گی بلکہ تلخیٔ ایام ان کی زندگی کو ناخوش گوار بنا دے گی۔ یعنی موت کے ڈر سے یہ تمام کام اور کاروبار زندگی چھوڑ دیں گے۔ ارشاد فرمایا کہ میں حرص اور امید پیدا کروں گا یعنی حرص اور امید کے باعث دنیا میں ان کا دل لگا رہے گا اور موت کی طرف دھیان نہ جائے گا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۳/ ۵۰۷، کتاب الزہد)

مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ جب سیدنا آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارا گیا تو حق تعالیٰ شانہ نے ان سے فرمایا:

''بگڑنے کے لیے بناؤ اور فنا ہونے کے لیے اولاد جنو'' (حلیۃ الاولیاء ۳/ ۲۸۶)

موت کے اتنا یقینی ہونے کے باوجود موت کی تمنا اور خواہش کرنے سے منع فرمایا گیا۔ چنانچہ مسلم میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کسی بیماری یا تکلیف سے تنگ آکر کوئی شخص موت کی تمنا نہ کرے اور اگر اسے تمنا کرنی ہی ہے تو یہ کہے:

اللھم احینی ماکانت الحیاۃ خیراً لی وتوفنی اذاکانت الوفاۃ خیراً لی

''اے اللہ! مجھے اس وقت تک زندہ رکھ جب تک زندگی میرے لیے بہتر ہے اور مجھے اس وقت موت دے دے جب موت میرے لیے بہتر ہو۔''

اس حدیث کو مسلم کے علاوہ بخاری، ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی نقل کیا ہے۔ علاوہ ازیں مسند احمد ۲/ ۲۶۳، ۳۰۹، ۵۱۴، ۳/ ۱۰۱، ۱۰۴، ۱۶۳، ۱۷۱، ۱۹۵، ۲۰۸، ۲۴۹، ۶/ ۳۳۳ میں بھی ہے۔

اس سلسلہ میں ایک اور روایت سیدنا انس رضی اللہ عنہ ہی سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''تم میں سے کوئی بھی موت کی تمنا نہ کرے اور نہ اس کے آنے سے قبل اس کو دعوت دے۔ کیوں کہ موت تمام اعمال کا سلسلہ ختم کر دیتی ہے اور نیکی مومن کی عمر کو بڑھاتی ہے۔'' (مسلم رقم ۲۶۸۲)

خلاصہ یہ کہ موت کا ایک دن، ایک مقام اور ایک وقت مقرر ہے۔ اس کے آگے پیچھے موت نہیں آسکتی۔ پھر موت کوئی بری شے بھی نہیں بلکہ حدیث میں اسے مومن کے لیے ایک تحفہ قرار دیا گیا۔ (**الموت تحفۃ المومن**) (مستدرک حاکم ۴/ ۳۱۹) ایک مکان سے دوسرے مکان میں اور ایک عالم سے دوسرے عالم میں منتقل ہونے کا نام ''موت'' ہے۔ چنانچہ امام

طبری نے معجم کبیر میں اور حاکم نے مستدرک میں عمر بن عبدالعزیزؒ سے روایت نقل کی ہے۔فرماتے ہیں کہ تم ہمیشگی کے لیے پیدا ہوئے ہو اور (موت سے فنا نہیں ہوتے بلکہ ایک گھر سے دوسرے گھر کی طرف منتقل ہوتے ہو۔(حلیۃ الاولیاء۵/ ۲۸۷)

امام احمدؒ نے اپنی مسند میں اور امام سعید بن منصورؒ نے اپنی سنن میں سندِ صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''دو چیزوں کو انسان نہایت برا سمجھتا ہے۔موت کو برا سمجھتا ہے حالاں کہ موت اس کے لیے فتنہ سے بہتر ہے۔مال کی کمی کو برا سمجھتا ہے حالاں کہ مال کی کمی سے قیامت میں حساب میں کمی ہوگی۔''

(شرح الصدور للسیوطی ص ۳۵، کنز العمال ۱۵/ ۵۵۱)

نسائی نے سنن میں اور طبرانی نے معجم کبیر میں سیدنا عبادہ بن صامتؓ سے روایت کیا ہے۔فرماتے ہیں کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''جو بھی جان روئے زمین پر مرتی ہے'اس کے لیے اس کے رب کے پاس بھلائی ہے اور وہ واپس نہیں آنا چاہتی۔خواہ اس کو تمام دنیا ومافیہا دے دی جائے سوائے شہید کے۔وہ بار بار (اس دنیا میں) آنے کی تمنا کرتا ہے تاکہ ثواب عظیم پائے۔'' (ترمذی رقم ۲۳۰۸،ابن ماجہ رقم ۴۲۵۸،شرح الصدور ۴۳،حلیۃ الاولیاء ۶/ ۳۵۵)

طبرانی نے ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اے اللہ! جو لوگ مجھے رسول جانتے ہیں ان کے دلوں میں موت کی محبت اور انسیت ڈال دے۔''

اگر موت کوئی اچھی شے نہ ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو اسے تحفۃ المومن اور نہ ہی مومنوں کے لیے موت کی محبت کی دعا مانگتے۔اسی طرح ایک اور روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''اگر تم میری وصیت یاد رکھو تو وہ یہ ہے کہ موت سے زیادہ پسندیدہ اور محبوب شے تمہارے نزدیک اور کوئی نہ ہو۔'' (شرح الصدور،ص ۴۰)

ابونعیم نے حلیہ میں اور امام بیہقی نے شعب الایمان میں سیدنا انس بن مالکؓ سے روایت کیا ہے کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''موت ہر مومن کے لیے کفارہ ہے۔''

امام قرطبیؒ نے فرمایا: اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمان کو مرتے وقت جو تکالیف ہوتی ہیں وہ اس کے گناہوں کی معافی کا سبب بن جاتی ہیں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان کو اگر کانٹا یا اس سے کوئی کم چیز بھی لگ جائے تو وہ بھی اس کے گناہوں کا کفارہ ہوجاتا ہے۔جب کانٹے کا یہ حال ہے تو پھر سکرات موت یا موت سے پہلے بیماری کی تکلیف کا کیا حال ہوگا۔اور سکرات موت کے بارے میں تو روایات میں ہے کہ اتنی سخت تکلیف ہوتی ہے کہ تلوار کی تین سو چوٹوں سے زائد تکلیف ہوتی ہے۔(شرح الصدور ص ۴۱،حلیۃ الاولیاء ۳/ ۱۲۱)

ایک مومن کامل کے لیے سکرات موت کی یہ سب چوٹیں اور بیماری کی یہ تمام تکالیف اس کے درجات کی بلندی اور گناہوں کے کفارہ کا باعث بنتی ہیں۔

منیر نیازی

حمد باری تعالیٰ

شامِ شہرِ ہول میں شمعیں جلا دیتا ہے تُو
یاد آ کر اس نگر میں حوصلہ دیتا ہے تُو

آرزو دیتا ہے دل کو ، موت کی ، وقت ِ دعا
میری ساری خواہشوں کا یہ صلہ دیتا ہے تُو

حد سے بڑھ کر سبز ہو جاتا ہے جب رنگ ِ زمیں
خاک میں اس نقشِ رنگیں کو ملا دیتا ہے تُو

تیز کرتا ہے سفر میں موجِ غم کی یورشیں
بجھتے جاتے شعلۂ دل کو ہوا دیتا ہے تُو

ماند پڑ جاتی ہے جب اشجار پر ہر روشنی
گھپ اندھیرے جنگلوں میں راستہ دیتا ہے تُو

دیر تک رکھتا ہے تُو ارض و سما کو منتظر
پھر انہی ویرانیوں میں گُل کھلا دیتا ہے تُو

جس طرف سے تُو گزر جاتا ہے اے جانِ جہاں!
دور تک اک خواب کا منظر بنا دیتا ہے تُو

اے منیرؔ اس رات کے افلاک پر ہونا تیرا
اِک حقیقت کو فسانہ سا بنا دیتا ہے تُو

پروفیسر محمد اکرام تائبؔ

نعت رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

مقامِ حبیبِ خدا اللہ اللہ
خدا بھی ہے جس پہ فدا اللہ اللہ

رخِ والضحیٰ پہ یہ والّیل زلفیں
یہ غازۂ صدق و صفا اللہ اللہ

فرشتے اترتے ہیں دینے سلامی
یہ روضۂ خیرالوریٰ اللہ اللہ

غریبوں ، یتیموں ، ضعیفوں کے ماویٰ
غلاموں کے ہیں ہم نوا اللہ اللہ

کرے کون محشر کو اپنی شفاعت
بجز ایک تیرے سوا اللہ اللہ

وہ دیتے ہیں بھر بھر کے جھولی سبھی کو
زمانہ ہے سارا گدا اللہ اللہ

کھلی ہیں خلوص و عقیدت کی کلیاں
یہ صحنِ حرم کی فضا اللہ اللہ

اٹھوں میں بھی اُن کے غلاموں میں تائبؔ
یہی ہے مری بس دعا اللہ اللہ

سید ابوذر بخاریؒ

ساقی

نوا پیرا بانداز دگر مزدور ہے ساقی
خمار نغمہ زائی سے چمن مسحور ہے ساقی

بپا ہے زلزلہ غربت کی دہشت سے بھی ایواں میں
کہ شاہیں کے مقابل جراتِ عصفور ہے ساقی

فرنگی کا تمدن ہو کہ یا تہذیب منگولی
وہ ہے شرِ عزازیلی ، یہ مکر و زور ہے ساقی

جو ہو کونین پر حاوی ، نظامِ صالح الفطرت
ترا قانون ہے ساقی ترا دستور ہے ساقی

سنانے ہم جسے اس منتظر دنیا کو اٹھے ہیں
ترا پیغام ہے ساقی ترا منشور ہے ساقی

نہ ذوق جاں سپاری ، سرفروشی جذب اُلفت میں
نہ وہ دار و رسن باقی نہ وہ منصورؔ ہے ساقی

موثر ہو گیا آخر فسوں تہذیبِ مغرب کا
مقدر نارسا ، تدبیر بھی معذور ہے ساقی

جرم کی پاسبانی کا شرف تھا کل جسے حاصل
وہ ملت آج خشمِ دیر سے مقہور ہے ساقی

زمانہ بن چکا تفسیر ”کادالفقر کفراً“ کی
شرافت سرنگوں اور سفلگی مغرور ہے ساقی

نظامِ جبر و استبداد کے یہ سب کرشمے ہیں
جسد پابند تھا اب روح بھی مجبور ہے ساقی

عطا ہو فکر بوذرؓ ، جذبہ فاروقؓ پھر ہم کو
تجھی سے یہ دعائے بندۂ مزدور ہے ساقی

اگر تیرا غضب ہو شہر بھی شکل بیاباں ہے
اگر تیرا کرم ہو جرم بھی مشکور ہے ساقی

نہیں جامِ شیریں نہ سہی ہم درد پی لیں گے
ہمیں تو تیری خوشنودی فقط منظور ہے ساقی

مگر اک التجا ہے بند نہ ہو فیض مے خانہ
کہ یہ وجہِ سکونِ خاطرِ رنجور ہے ساقی

بہت کچھ ہو چکی اب دین کی تذلیل و پامالی
سراپا زخم ہے دل اور جگر ناسور ہے ساقی

کرم فرما بسوز دل اثر از من نمی آید
بجز درماندگی چیزے دگر از من نمی آید

☆☆☆

سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ

صیام کے دن

دلوں کا دیس بساؤ صیام کے دن ہیں   خدا سے ربط بڑھاؤ ' صیام کے دن ہیں
دعائیں مانگ کے لے لو وصال کی گھڑیاں   حروفِ وصل سناؤ ' صیام کے دن ہیں
ماہِ صیام کا تم سے یہی تقاضا ہے   کہ لو خدا سے لگاؤ ' صیام کے دن ہیں
نبی کے سینے پہ اتری ہے جو کتابِ ھدیٰ   وہی غنا سے سناؤ ' صیام کے دن ہیں
بتوں کے سامنے سر کو جھکا نہیں سکتے   خدا کے سامنے جھک جاؤ' صیام کے دن ہیں
جھکیں گے لالہ و گل بھی ' سبھی مغنی بھی   یہ نغمہ تم بھی سناؤ ' صیام کے دن ہیں
بلا رہی ہے تمھیں یہ فضاءِ لا ہوتی   تم اس فضا میں تو آؤ' صیام کے دن ہیں
سنو خدا کے لیے یہ غناءِ ملکوتی   تم اس پہ کان لگاؤ ' صیام کے دن ہیں
حروف و لفظ و کتابِ ھدیٰ کے ہوتے ہوئے   فسانے اب نہ سناؤ ' صیام کے دن ہیں
خدا کے قرب کے لمحوں کے اس مہینے میں   قریبِ غیر نہ جاؤ ' صیام کے دن ہیں

کہاں شعور تمہارا وہ آگہی ہے کہاں
یہ خود کو راہ سجھاؤ ' صیام کے دن ہیں

(یکم رمضان ۱۴۱۹ھ۔جنوری ۱۹۹۹ء)

کامران رعد (لندن)

آغازِ سحر

ہر چند فُغاں بزم کا منشور نہیں ہے
چپ چاپ تڑپنا مجھے منظور نہیں ہے

اُس دل کا دھڑکنا ہے فقط سانس کا چلنا
ایماں کی حرارت سے جو معمور نہیں ہے

باطل کو پرکھنے کا جسے ڈھنگ نہ آیا
اُس آنکھ کی بینائی میں کچھ نور نہیں ہے

بے شک ہو نِکّو نام، جری، صاحبِ ذیشان
رسوا جو کرے دیں کو وہ غیّور نہیں ہے

اے شوقِ پزیرائی حوادث سے لپٹ جا
محتاط روی عشق کا دستور نہیں ہے

جانبازئ جانباز کو اجناس میں مت تول
ہے رب کی رضا پیشِ نظر حور نہیں ہے

افغان و فلسطین بتاتے ہیں مجاہد
مستور ہو، محصور ہو، معذور نہیں ہے

اترے گا نشہ اور پیے جائے گا جتنا
مظلوم کا خوں دخترِ انگور نہیں ہے

گردش میں گرفتار ہیں مغرب کے ستارے
اٹھ جاگ! کہ آغازِ سحر دور نہیں ہے

سیف اللہ خالد

مولانا حسن جان شہید علیہ الرحمتہ

مولانا حسن جان اہل علم کی جان تھے۔ پشاور کا مضبوط علمی مدرسہ، جس پر ان کے مکتبِ فکر جماعت کو ہی نہیں پشاور کو بھی ناز تھا۔ ان کی مقبولیت ان کے جنازے سے عیاں ہے۔ کراچی میں مولانا محمد یوسف لدھیانوی اور مفتی جمیل خان کے بعد ایک طویل وقفے کے بعد اس مکتبِ فکر کے ایک اور کہسار کو مسمار کرنے کی کوشش کی گئی ہے مگر شہید مردہ نہیں ہوتے ’زندہ رہتے ہیں۔ ایک حقیقت بن کر مولانا حسن جان بھی فانی زندگی سے ابدی حیات کی طرف سفر کر گئے اور جامِ شہادت نے انھیں ایک ایسی زندگی عطا کر دی جو نہ ختم ہونے والی اور قابل فخر ہے۔ ان کے صاحبزادے نے بالکل درست کہا کہ الزام تراشیوں کے بجائے تحقیقات اور انتظار ہی عقل مندی کا تقاضا ہے۔

مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ صوبہ سرحد میں جہاں علماء کا احترام سدا ہے‘ ان کا وقار بلند اور عزت دوچند ہے جہاں عالم ہونا معزز ہونے کی علامت ہے۔ اس معاشرے میں حسن جان جیسے بلند پایہ عالم دین کا قتل آخر ممکن کس طرح ہوا اور اس میں کون سے ہاتھ ملوث ہیں۔ اس حوالے سے ایک رائے تو بہت واضح ہے کہ قندیل روشن خیالی کے غیر ملکی مجاور ہر شمع حق کو بجھانے کے درپے ہیں اور یہ حرکت بھی انھی بدکاروں کی ہوسکتی ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ لوگ جو پاکستان میں خانہ جنگی کی کیفیت پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ جن میں سے ایک اطلاع ہے کہ تقریباً ایک ماہ قبل ۶ افراد طورخم سے پکڑے گئے تھے اور ۱۴ ابھی اندرون ملک غائب ہیں۔ مزید یہ کہ ڈیرہ اسماعیل خان میں ایک شخص کے قتل میں گرفتار ہونے والے ۲ ملزموں نے اعتراف کیا تھا کہ ان کے ۲ ساتھی مزید ہیں جو باہر ہیں اور ان کے تعاون سے لاہور، کراچی اور سرحد کی بعض شخصیات کو نشانہ بنایا جاسکتا ہے۔ معلومات کے مطابق پولیس نے اس مقامی دہشت گرد گروپ کی شناخت کے باوجود ملزموں کی گرفتاری میں تساہل کا مظاہرہ کیا ہے‘ یہ وجہ بھی ہوسکتی ہے۔ کامیاب اور غیر جانبدارانہ تحقیقات ہی سے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہوسکتا ہے۔

مولانا حسن جان کے قتل کے حوالے سے سب سے خوفناک پروپیگنڈا وہ ہے جو نامعلوم کس گوشہ کی طرف سے پھیلا کہ ''مولانا کو طالبان یا قبائیلیوں نے قتل کیا۔'' کیوں کہ اوّل وہ لال مسجد معاہدے میں شریک تھے‘ دوسرے وہ خود کش حملوں کو جائز قرار نہیں دیتے تھے۔ لہٰذا انھیں نشانہ بنایا گیا۔ اگر یہ معاملہ درست بھی ہے تو قابل مذمت ہے کہ طالبان اور قبائیلیوں کو اختلاف بھی سننا چاہیے ورنہ ان کے حق میں ایک بھی آواز نہیں اٹھ سکے گی۔ مگر وہ تو اچھا ہو گیا کہ طالبان ترجمان نے نہ صرف اس قتل کی مذمت کی ہے بلکہ اسے ایک سازش قرار دیا جس سے دشمن کو دہرا فائدہ ہوا۔ ایک تو حسن جان جیسے عالم دین کو قتل کر دیا گیا دوسرے پشتونوں میں اختلاف پیدا کرنے کی کوشش کر دی گئی۔ طالبان ترجمان کے بیان نے ان کی پوزیشن واضح کر دی۔ مگر جنازے کے موقع پر وزیر اعلیٰ اکرم درانی کے خلاف ردّعمل اور ان کے جنازہ کو پڑھے بغیر لوٹنے پر

مجبور کر دینا یہ ظاہر کرتا ہے کہ عوام میں اسے حکومتی نااہلی سمجھا جا رہا ہے۔ اس میں شبہ بھی نہیں کہ خود جمعیت علماء اسلام کی حکومت میں جمعیت علمائے اسلام کے ایک ایسے رہنما کا قتل ہو جانا خود حکومت کے لیے ڈوب مرنے کا مقام ہے۔ جو حکومت اپنے قائدین کا تحفظ کرنے میں ناکام ہو جائے، اسے کیا کہنا چاہیے۔ مولانا سمیع الحق کو اس موقع پر بات کرنے کا موقع ملا ہے تو انھوں نے کوئی زیادہ غلط بات نہیں کہی۔ حقیقت یہی ہے کہ عوام جے یو آئی کے وزیراعلیٰ سے مطمئن نہیں ہیں۔ صرف وزیراعلیٰ ہی کیا دیگر وزراء کی کارکردگی بھی سبحان اللہ ہی ہے۔ بلکہ کئی ایک کا نام لے کر جے یو آئی کے کارکن کہتے ہیں کہ شکر ہے پنجاب میں ان کو کوئی نہیں جانتا۔ ورنہ ہمارا جینا حرام ہو جاتا۔ صوبائی حکومت کی کارکردگی الگ سے ایک طویل کالم کا تقاضا کرتی ہے۔ اسے پھر اٹھائے رکھتے ہیں مگر اتنا ضرور کہنا چاہیں گے کہ وزیراعلیٰ اکرم درانی کو چاہیے کہ حسن جان کا قتل مٹی میں نہ ملانے دیں۔ ماضی میں ان کی کارکردگی یہی رہی ہے کہ کسی بھی ایسے سانحہ پر مرکز کے سر روکاوٹوں کا الزام ڈال کر خود کو بری الزمہ قرار دے ڈالتے ہیں۔ مگر اس معاملے میں انھیں اپنا یہ طرزِ عمل بدلنا ہوگا۔ حسن جان ان کی جماعت کے رہنما تھے۔ ان کے مکتبِ فکر کے جید عالم اور شناخت تھے ان کے قتل پر بھی اگر اکرم درانی سنجیدہ نہ ہوں تو پھر اللہ ہی حافظ ہے۔ ہمیں مولانا فضل الرحمٰن سے توقع رکھنی چاہیے کہ وہ اس واقعہ پر خود نوٹس لیتے ہوئے اکرم درانی کو حکم دیں کہ ہر ممکن طریقے سے تفتیش کی جائے اور مجرم جو بھی ہو اسے قرار واقعی سزا دی جائے۔

ماہانہ مجلس ذکر و اصلاحی بیان
4 نومبر 2007ء
اتوار بعد نماز مغرب
دفتر احرار 69/C
وحدت روڈ نیو مسلم ٹاؤن لاہور
ابن امیر شریعت
حضرت پیر جی
سید عطاء المہیمن بخاری دامت برکاتہم
(امیر مجلس احرار اسلام پاکستان)
نوٹ: ہر انگریزی ماہ کی پہلی اتوار کو بعد نمازِ مغرب مجلس ذکر و اصلاحی بیان ہوتا ہے
تحریک تحفظ ختم نبوت (شعبہ تبلیغ) مجلس احرار اسلام لاہور فون: 042-5865465

الغازی مشینری سٹور
ہمہ قسم چائنہ ڈیزل انجن، سپیئر پارٹس
تھوک و پرچون ارزاں نرخوں پر ہم سے طلب کریں
بلاک نمبر 9 کالج روڈ، ڈیرہ غازی خان 064-2462501

انیف کاشر

جھوٹ کے پاؤں اور غیر ملکی بیساکھیاں

ہمیں آج بھی اچھی طرح یاد ہے کہ بچپن میں جب بھی کبھی کوئی بات بڑوں سے چھپائی وہ چھپ نہ سکی۔ جھوٹ کے پلستر اور چرب زبانی کے روغن کے باوجود بلی ہمیشہ تھیلے سے باہر آجاتی۔ اس موقع پر ابا جان ہماری گوشمالی کرتے اور فرماتے انسان بنو، جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے۔ پہلے پہل تو ہم سہم جاتے تھے مگر جب متعدد بار ایسا ہوا تو کسی نادیدہ خوف کے باوصف ایک لرزش خفی ہم اپنے بدن پر محسوس کرنے لگے۔ یہ بات ہمارے ذہن و دل پر نقش ہوگئی کہ جھوٹ کوئی بدنما جانور یا بدہیئت گدھ ہے جو معذور اور بے بس ہے اور چلنے پھرنے کی سکت سے عاری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فی الفور گرفت میں آجاتا ہے۔ اسی لیے ابا جی ہمیں جھوٹا کہتے ہیں اور ہماری ہر غلط بات پر ٹوک دیتے ہیں۔ ہمارے دل میں اس بدہیئت مخلوق کو دیکھنے کا اشتیاق بڑھتا گیا۔ ہم نے اپنی بے قراری اور اضطراری کیفیت کا اظہار کسی سے اس لیے نہ کیا کہ مبادا ہمیں اس بدشکل مخلوق کا تعلق دار سمجھ لیا جائے۔ انھی دنوں سکول ماسٹر صاحب نے ہم پر یہی چارج شیٹ لگادی۔ ریاضی سے ہمیں کوئی کد نہیں۔ ثبوت اس کا یہ تھا کہ ہمارے پاس ریاضی کی دو کتابیں تھیں اور پہاڑوں کے پہاڑ پر بھی ہم چھوٹی سی عمر میں ہی چڑھ گئے تھے مگر الجبرے سے ہمارے تعلقات ہمیشہ کشیدہ رہے ہیں۔ اس لیے اے جمع بی کا مربع نہ نکال سکے۔ ویسے تو ہم اماں جی کا سیب اور گاجروں کا مربہ بھی کبھی نہیں نکال پائے۔ کیوں کہ مظروف کے ظرف یعنی مرتبان تک ہماری رسائی نہ تھی۔ اتنی لذیذ چیز جب ہمارے ہاتھ نہیں آسکتی تھی تو خشک اور سپاٹ ماسٹر چیز کیسے پلے پڑتی۔ ماسٹر جی نے جب ہوم ورک کے بارے میں ہم سے استفسار کیا اور کاپی چیک کروانے کا تقاضا کیا تو ہم نے فوراً کہہ دیا ماسٹر جی کاپی گھر رہ گئی ہے۔ ماسٹر جی نے آؤ دیکھا نہ تاؤ چھڑی اس انداز سے چلانا شروع کردی جیسے بپھری پولیس پرامن احتجاج کرنے والوں پر لاٹھی چارج کرتی ہے۔ مارے درد کے ہم بلبلا اٹھے۔ ساتھ ہی ان کی گرجدار آواز سنائی دی: ''جھوٹا کہیں کا'' مار کھا کر اتنی تکلیف نہ ہوئی تھی مگر لفظ ''جھوٹا'' نے ہمیں ادھ موا کردیا۔ گھر پہنچے تو بلک بلک کر روئے اور پھر امی جان کے پاؤں میں گر گئے۔ امی جان ہماری داستان حسرت سننے کی متمنی تھیں۔ اس لیے انھوں نے بارہا پوچھا کہ دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے؟ اُن کے دکھ بھرے اصرار اور پرسوز گفتار کے پیش نظر ہم سسکیوں کی تمہید کے بعد شکایت اپنے لبوں پر لے ہی آئے: ''امی جان! ابا جان اور ماسٹر صاحب ہمیں جھوٹا قرار دے چکے ہیں۔ آپ تو جانتی ہیں کہ جھوٹا آدمی بدشکل جانور بلکہ بدہیئت گنجے گدھ کی طرح ہوتا ہے۔''

امی جان نے ہماری معصومیت یا بے وقوفی پر تبسم بکھیرا اور کہا کہ تم اتنی سی بات پر جوئے اشک آنکھوں سے بہا رہے ہو۔ بیٹا! تم نہ مجبور ہو اور نہ ہی معذور ہو، تجھے گدھ سے کیا مناسبت، تم شاہین بن سکتے ہو بس خاک بازی کا سبق

بھول جاؤ اور آج سے شہبازی کے جادے پر نئے عزم سفر سے چلنے کے لیے کمر باندھ لو۔ یاد رکھو! جھوٹ کا پرندہ خواہ جتنی بلندی پر بھی پرواز کرے، حقیقت کا سورج طلوع ہوتے ہی اس کے مومی پر پگھلنے لگتے ہیں اور وہ دھڑام سے زمین پر آ گرتا ہے۔ لہٰذا بیٹا! میرے ساتھ وعدہ کرو کہ ہمیشہ سچی، کھری اور بے لاگ بات کرو گے۔ اور کبھی دروغ گوئی کے پاس نہیں پھٹکو گے اور اگر کوئی کوتاہی ہو جائے یا کوئی بات بھول جاؤ تو اسے چھپاؤ گے نہیں۔ انسان سے کوتاہی اور بھول ہونا بہت اچھی بات ہے کیونکہ یہ عبرت کا تازیانہ ہے، اس سے انسان عظیم ہوتا ہے، یہ حضرت آدم علیہ السلام کی سنت ہے اور غلطی کر کے اسے صحیح ثابت کرنے پر اصرار کرنے والا خبیث ہی نہیں مردود اور لعین بھی ہوتا ہے اور یہ شیطان رجیم کا راستہ ہے۔ والدہ صاحبہ کے ارشاداتِ عالیہ کے فیض سے ہمارے دل ونگاہ روشن ہوئے اور ہم نے عملی زندگی ایسی من کی دولت پائی جو ایک دفعہ دل کی تجوری میں آئی مگر گئی کبھی نہیں بلکہ اس میں روز افزوں اضافہ ہوتا گیا۔

ہم نے اپنی والدہ سے سچ پر کاربند رہنے کا وعدہ کیا تھا اور عملی زندگی میں اسے پورا کرنے کی سعیٔ جمیلہ بھی کرتے رہے مگر دنیا اور اہل دنیا کا اتنا قریب سے مشاہدہ کیا تو ہمیشہ جھوٹ کو راجدھانی پر متمکن دیکھا۔ تاریخ اٹھا کر دیکھ لیں۔ سچ بولنے والوں کی زبانیں کاٹ دی گئیں، نیزوں پر سر لہرانے لگے، زہراب کے جام ان کا مشروب بنے۔ اگر انھیں زندہ رکھا گیا تو رسوائی اور ذلت اس طرح ان کا مقسوم بنائی گئی کہ وہ مرنے کی دعائیں مانگتے رہے۔ جھوٹ کی فصلیں اپنی پیداوار بڑھاتی گئیں اور سچ کی زمین کو شور زدہ قرار دیا جاتا رہا۔ آج بدیہی حالات بتاتے ہیں کہ کذب و دروغ کی اندھی آندھی سے سچ کا معصوم پنچھی مصلحت کے گھونسلے میں دبکا رہتا ہے۔ اسی لیے تو ایک شریف النفس شاعر بھی یہ کہنے پر مجبور ہو گیا تھا:

ہم نہ کہتے تھے کہ حالیؔ چپ رہو
راست گوئی میں ہے رسوائی بہت

چنانچہ آج ہر کوئی اس ''رسوائی'' سے بچاؤ کی تدابیر ڈھونڈ رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کیا چھوٹا، کیا بڑا، کیا عالم، کیا فاضل، کیا ادیب، کیا شاعر، کیا دانشور، کیا سیاست دان ہر کوئی آج کل سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کا سچ بنانے میں مہارت تامہ رکھتا ہے۔

ہوسکتا ہے کہ اس میں کچھ مستثنیات کو دخل ہو مگر ہمیں تو اپنی زندگی کی پچاس بہاروں میں سچائی ڈری، سہمی اور منہ چھپاتی نظر آئی۔ ہم نے جھوٹ کے کالے دیو کو زندگی کے ہر شعبے میں دندناتے دیکھا ہے۔ ۹ رمارچ کے روز ملک کے قاضی القضاۃ کے ساتھ جو کچھ ہوا سو ہوا۔ ۱۲ رمئی ۲۰۰۷ء کو ''مستقل قومی مصیبت'' کی شپرک نے عدل و آزادی کو اپنے حصار میں لے لیا۔ پچاس سے زیادہ معصوم اور بے گناہ افراد لقمہ اجل بنا دیئے گئے۔ قوم عالمی برادری میں بدنام ہوئی اور انسانیت سر بازار رسوا ہوئی۔ انسان کے لہو کی ایک بوند کو نور کہا جاتا ہے مگر اس روز نور کی کئی کتابیں سڑکوں پر بکھری پڑی تھیں۔ انسانیت کے ساتھ ہونے والی اس درندگی پر شرمندگی کی بجائے سب وزراء متفق باللسان ہو کر ''سب اچھا ہے'' اور ''راوی چین لکھتا ہے'' کی رٹ لگاتے رہے۔ سچ کو قبر میں اتارا گیا اور جھوٹ کی مہتابیوں سے مطلع انوار دکھایا گیا۔

لال مسجد کے شہداء کے حوالے سے ۳؍جولائی سے ۱۳؍جولائی تک جتنا جھوٹ بولا گیا' اس سے جھوٹ بھی خوفزدہ ہوگیا تھا۔ ہمیں تو پہلے ہی اشتباہ تھا کہ پی پی کی بی بی کی طرح اس (جھوٹ) کے ساتھ بھی مذاکرات کا دور چل رہا ہے (مگر غنچو میاں تو کسی طرح ہماری بات سے متفق نہیں تھے وہ تو اس مذاکرات کے ڈانڈے ۱۲؍اکتوبر ۱۹۹۹ء سے ملا رہے ہیں) اُسے اور اُس کے ساتھیوں کو پرتعیش زندگی گزارنے کی بار بار یقین دہانی کرائی جا رہی ہے اور معاملہ بگڑنے پر کسی نہ کسی معاملے پر شامل تفتیش کرنے کی دھمکی بھی دی جا رہی ہے۔ بسا اوقات اس کے چہرے کی زردی ماند پڑ جاتی ہے اور وہ غصے سے لال بلکہ بے حال ہوکر کانپنے لگتا ہے۔ تاہم وہ کبھی کبھار مفاہمت اور مصلحت کے ملے جلے جذبات کا اظہار کرہی دیتا تھا مگر قلعی اس وقت کھلی جب میاں نواز اور حکومت نے اپنے اپنے داؤ پیچ لڑانے شروع کیے اور فریقین اپنی اپنی پسند کے جملوں کے ساتھ رائے زن ہوئے۔

میاں صاحب ''لاہوری بادشاہ'' ہیں (قطع نظر اس کے کہ وہ پاکستان کے بھی ''بادشاہ'' رہ چکے ہیں) انھوں نے گفتنی ناگفتنی سب باتیں پریس کانفرنس میں کردیں اور پاکستان آنے کا عندیہ دوٹوک الفاظ میں دے دیا جو یقیناً موجودہ ''کج کلاہوں'' کے لیے ناقابل قبول تھا۔ مگر اس قوم کا کیا کیا جائے۔ یہ جانے پر لڈیا ڈالتی ہے اور آنے پر شیرینی تقسیم کرتی ہے۔ من چلوں نے ٹنوں مٹھائی بانٹی۔ سیاسی سرگرمیاں عروج پر پہنچ گئیں۔ مجلس عمل فارغ ہی تھی۔ اس نے بھی اِدھر اُدھر دیدے گھمائے، جگہ خالی پائی اور میدان میں کود گئی۔ میاں نواز شریف نے ۱۰ ستمبر کو اسلام آباد پہنچنے کا اعلان کیا تو من چلوں نے ''من کا سودا'' سمجھ کر قبول کرلیا اور اسلام آباد کی طرف روانگی کا عزم اور زادِ سفر باندھا۔ کچھ کو تو سفر سے پہلے ہی دھرلیا گیا تھا اور بہتوں کو روانگی کے وقت ''مہمان'' بنایا گیا۔ ہوائی اڈوں پر تو مکمل پہرہ تھا۔ اسلام آباد ائیر پورٹ پر تو کئی کئی میل تک پرندے کو بھی پر مارنے کی اجازت نہ تھی۔ میاں صاحب کے جیالے، من چلے، لیڈر، مرد وخواتین سب نظر بند کر دیئے گئے۔ تھانے اور حوالاتیں پر ہوگئیں اور میاں صاحب کو ''گرفتار'' کر کے سعودی عرب روانہ کردیا گیا۔ جہاں وہ مزید تین سال ''عافیت'' سے گزاریں گے۔ دن کے اجالے میں آنیوالے کو ''تاریکی'' میں رکھا گیا۔

''پولی پولی'' شارٹ پچ گیندوں کے چھکے چوکے مارنے والے کو تیز ترین ''فل ٹاس'' کی توقع نہیں تھی۔ مگر سیاست کے کرکٹر اور کرکٹ کے سیاست دان اس عمل کو ''مباح'' گردانتے ہیں۔ چنانچہ ہم نے ٹی وی پر شیر افگن سمیت بیسیوں وزراء کو اپنے اصلی اور نقلی دانتوں سمیت مسکراتے دیکھا تو ہم سمجھے کہ شاید وہ کسی ٹوتھ پیسٹ کی تشہیری مہم کا حصہ بن کر تصویریں بنوا رہے ہیں۔ جب لارڈ نذیر نے واویلا بپا کیا کہ ''وزیراعظم سمیت تمام وزراء کذب بیانی سے کام لے رہے ہیں کہ نواز شریف برضا ورغبت واپس گئے ہیں'' تو ہمیں خبر کی صداقت کا شک ہوا اور یہ شک اس وقت یقین میں بدل گیا۔ جب رات کو ''ایوانِ صدر'' میں ''جھوٹ'' کو اپنے ساتھیوں سمیت محو رقص پایا۔ بے شک جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے۔ وہ زیادہ دور تک نہیں چل سکتا مگر جسے امریکی بیساکھیوں کا سہارا ہو وہ ''جھوٹ'' تو بہت دور تک جانے کی سکت رکھتا ہے۔

مولانا محمد عیسیٰ منصوری
چیئرمین ورلڈ اسلامک فورم (لندن)

شر پسند اور خیر پسند

شر پسند' میڈیا کا مروجہ لفظ اور عصر حاضر کی بکثرت استعمال ہونے والی اصطلاح ہے ۔آپ روزانہ ہی کے اخبارات میں ،مختلف چینلوں سے بار ہا یہ لفظ سنتے اور پڑھتے ہیں کہ آج اتنے شر پسند ہلاک کر دیئے گئے یا گرفتار کر لیے گئے ۔موجودہ دور میں مغرب و مشرق مسلم و کافر سب کا اس پر اتفاق ہو چکا ہے کہ ہر شر پسند واجب القتل ہے ۔ یہ جہاں نظر آئیں بلا تحقیق ، بلا ثبوت اور بلا مقدمہ چلائے انھیں فوراً ختم کر دینا ہی انسانیت کی سب سے بڑی خدمت ہے۔

آخر یہ شر پسند کون ہیں؟ ان کی تعریف کیا ہے؟ انسانیت اور دنیا کو ان سے کیا خطرہ لاحق ہے؟ آیئے تاریخ کی روشنی میں جائزہ لے کر حقیقت تک پہنچنے کی کوشش کریں۔

گزشتہ تین صدیوں سے دنیا پر مغرب کا سیاسی ،عسکری ،اقتصادی ،تمدنی ،علمی ،فکری اور سائنسی غلبہ قائم ہے ۔ یہ غلبہ اس قدر ہمہ جہت اور ہمہ گیر ہے کہ اقوام عالم اور ملتوں کے لفظ و اصطلاحات ان کے معنی و مطالب بھی مغرب سے مستعار لینے پڑتے ہیں ۔ یہ لفظ شر پسندی مغرب کے اسی عالمی غلبہ و استیلاء کی جنگ (گیم آف پاور) کا سیاسی لفظ ہے جس میں ایک طرف صہیونیت اور شکار کردہ مغرب اور دوسری طرف اقوام عالم بالخصوص عالم اسلام ہے ۔ دنیا میں مغرب کی غلامی اور اس کی بے چوں و چرا اس اطاعت سے جن لوگوں کو پس و پیش یا انکار ہے یا جنھیں مغربی فکر و فلسفہ ،طرزِ حیات ،تہذیب و کلچر کو خیر محض ماننے میں تردد ہے اور جو اپنا مستقل نظامِ حیات ،عقیدہ و فکر ،تمدن و کلچر اور خیر و شر کا معیار رکھتے ہیں ۔ وہ مغرب اور اس کے تابعدار حکمرانوں کے نزدیک شر پسند موجودہ گیم آف پاور کا ایک ڈپلومیٹک لفظ ہے ۔جس طرح آج سے ڈیڑھ سو سال پہلے برصغیر پر برطانیہ عظمیٰ کے اقتدار کی جنگ نبی وہابی کا لفظ تھا ۔ چنانچہ گورنمنٹ برطانیہ کا ایک کارندہ وا سکالر ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر نے اپنی کتاب ”اور انڈین مسلمز (Our Indian Muslims) میں لکھا تھا کہ برطانیہ عظمیٰ کی ڈکشنری میں لفظ وہابی مذہبی نہیں سیاسی اصطلاح ہے اور اس کے معنی ہیں انگریز کے ہمہ جہتی غلبہ و بالا دستی کا منکر یا برٹش گورنمنٹ کی مکمل اطاعت نہ قبول کرنے والا باغی ۔ ادھر گزشتہ ڈیڑھ سو سال کی سیاست و طاقت کی گیم میں برطانیہ امریکہ کا دم چھلہ بن کر رہ گیا اور امریکہ و برطانیہ دونوں کا نظریاتی و فکری کنٹرول صہیونیت کے پاس آ گیا ۔اس لیے اب دنیا کی اکلوتی سپر پاور اپنی سیاسی بالا دستی کی جنگ میں اقوام عالم سے نہ صرف اپنے کمزور فلسفۂ حیات کے مکمل اتباع کی خواہاں ہے بلکہ اقوامِ عالم کے دل و دماغ ،جذبات و خیالات پر بھی مکمل تسلط و کنٹرول چاہتی ہے ۔اب مغرب اپنے فکر و فلسفہ ،کلچر و تمدن کی بالا دستی کے خلاف کسی وسوسہ و شائبہ تک کو ناقابل معافی جرم و بغاوت قرار دے رہا ہے یعنی وہ اقوام عالم کی صرف سیاسی و عسکری اقتصادی و تمدنی غلامی پر قانع نہیں بلکہ ان کے دل و دماغ جذبات و عواطف کے ہر ہر رگ و ریشہ کی مکمل اطاعت و فرماں برداری کا خواہاں ہے۔

دوسری طرف مذاہب عالم میں اسلام ہی واحد مذہب ہے جس کا دعویٰ ہے کہ انسانی زندگی کے کسی شعبہ میں بھی رہنمائی قرآن و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کہیں اور سے لینا کفر اور شر و فساد ہے ۔اسلام نام ہے اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی

مکمل اطاعت اور مکمل بالادستی قبول کرنے کا۔ اگر کسی مسلمان کے نزدیک اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کے خیرِ محض ہونے میں ذرہ برابر شک وشبہ ہو جائے تو وہ اسلام کی حدود سے خارج ہو کر گروہ شر میں داخل ہو جاتا ہے۔ اسلام میں خیر کا منبع صرف اللہ کی ذات اور اس کے احکامات ہیں۔ جب کہ مغرب خود کو خیر کا منبع قرار دیتا ہے۔ آج کل ذرائع ابلاغ میں شر پسند اسی معنیٰ میں بولا جا رہا ہے۔ یعنی صہیونی اور مغربی بالادستی کا منکر عصر حاضر کے فلسفہ ہائے حیات میں اسلام ہی واحد مذہب ہے جو مغرب وامریکہ کے یوآف لائف کے خیر پسند ہونے سے انکاری ہے۔ باقی تمام اقوام ومذاہب کو مغرب کے فکر وفلسفہ کی سپرمیسی سے کوئی انکار نہیں۔ وہ ہر شعبہ میں مغرب کی سپرمیسی تسلیم کرتے ہوئے اپنے مذہب کی پوجا پاٹ کی رسمیں ادا کر سکتے ہیں۔

اسلام کے نزدیک شر اور خیر کی تقسیم دنیا کی سب سے قدیم تقسیم ہے۔ جو اوّلین انسان حضرت آدم علیہ السلام ہی سے چلی آرہی ہے اور ہر دور میں جاری وساری رہی ہے۔ ہر دور میں اللہ کے پیغمبروں کے ماننے والے خیر پسند اور حزب اللہ یعنی اللہ کی پارٹی کہلائے اور نہ ماننے والے شر پسند اور (حزب الشیطان) شیطان کی پارٹی قرار دیئے گئے۔ پھر اللہ کے آخری پیغمبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے بعد یہ تقسیم ایک طرح سے دائمی ومستقل قرار پائی۔ اب تا قیامت خیر پسند وہ لوگ ہوں گے جو اللہ کے آخری پیغام (قرآن) کی مکمل تابعداری وبالادستی قبول کریں اور شر پسند وہ ٹھہریں گے جو اس سے انکاری ہوں۔ غرض موجودہ دور میں بھی نظریاتی وفکری اعتبار سے عصری دنیا واضح طور پر دو گروپ میں منقسم ہے۔ ایک طرف مغرب جس کی سپرمیسی وبالادستی دنیا بھر کی اقوام وملل نے تسلیم کر لی ہے۔ ساتھ ہی مسلمانوں کے بااختیار طبقے اور حکمرانوں اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ نے بھی اس لیے آج کل کی اصطلاح میں یہ سب خیر پسند ہیں۔ دوسری طرف عام مسلمان ہیں جو قرآن واسلام کے منبع خیر ہونے کے قائل اور مغرب کی مکمل اطاعت سے دور ونفور اور اس کے منبع خیر ہونے کے منکر ہیں۔ یہ لوگ پوری دنیا کے نزدیک شر پسند ہیں۔ اسی لیے عصر حاضر کی مہذب گالیوں (دہشت گرد، انتہا پسند اور شر پسند) کے مصداق ہیں۔

جس طرح اسلام میں معروف (خیر) پھیلانا اور منکر (شر) کو مٹانا ہر مسلمان کی ڈیوٹی (فریضہ اور عین عبادت ہے بالکل اسی طرح مغرب کے نزدیک ان کے منکر وکافر شر پسندوں کو قتل وہلاک کرنا سب سے بڑی اطاعت اور اوّلین فریضہ وڈیوٹی ہے۔ یہ فریضہ اور ڈیوٹی اس وقت زیادہ اہمیت اختیار کر جاتی ہے جب طبل جنگ بج چکا ہو اور اسلام میں بھی خیر وشر کے معرکہ (جہاد) کے دوران شر کو مٹانے کی کوشش سب سے بڑی اطاعت وعبادت سمجھی جاتی ہے اور دیگر فرائض اس اہم فریضہ (جہاد) کے تابع اور اس کی رعایت کے ساتھ ادا ہوتے ہیں۔ یہی حال دوسری جانب ہے۔ اللہ کو سپر پاور ماننے والوں پر فرض ہے کہ ان کی ہر صبح وشام اللہ کے نام اس کی عظمت وکبریائی کے اعلان سے ہو۔ اس طرح مغرب کی سپرمیسی تسلیم کرنے والوں پر لازم ہے کہ جب وہ زبان کھولیں پہلے اپنے ایمان کا اظہار واعلان کریں یعنی شر پسندوں، دہشت گردوں اور انتہا پسندوں کے خلاف اعلانِ جنگ۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہر اہم موقع پر اور خاص طور پر جب دو سربراہ مل رہے ہوں تو ان کا اوّلین کام اپنے اس ایمان کا اعلان واظہار ہوتا ہے۔ مشرف سے لے کر خادم حرمین تک ہر سرکاری تقریب کی ابتداء دہشت گردی وانتہا پسندی کے خلاف آخری سانس تک لڑنے کے اسی ایمان کے اعلان واظہار سے کرتے ہیں۔

نائن الیون کے بعد یہ معرکۂ خیر وشر اپنے فائنل راؤنڈ میں داخل ہو گیا ہے۔ اس مرحلہ میں بات اور جنگ دہشت گردوں سے آگے بڑھ کر مشتبہ دہشت گردوں اور مشتبہ انتہا پسندوں تک جا پہنچی ہے۔ اب ایسے لوگ بھی ناقابل معافی قرار پا چکے

ہیں جو براہِ راست مغرب سے مزاحم نہیں۔ یعنی وہ مسلمان جو اس جنگ میں عملاً غیر جانبدار ہیں صرف ان کی شکل وصورت، لباس وحلیہ ان کی طرح ہے۔ وہ بھی گردن زدنی ٹھہرے۔ بش بہادر واضح اعلان فرما چکے ہیں کہ ہمارے ساتھ یا ہمارے دشمن۔ درمیان میں کوئی راہ نہیں یا ایمان یا کفر۔ چنانچہ گزشتہ چند سالوں سے عراق وافغانستان اور پاکستان میں امریکی......افواج فضاء سے بمباری کر کے ایسے مشتبہ لوگوں کو بے کھٹکے ہلاک کر رہی ہے۔ جن کی شکل وصورت شر پسندوں سے ملتی جلتی ہے یا جو نماز روزہ کے پابند ہیں۔

یورپ کی تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ دہشت گردی اور انتہا پسندی مغرب کی اصل فطرت ہے۔ براعظم امریکہ وآسٹریلیا کے اصل باشندوں کے بچے بچے کا قتل عام کر کے ان براعظموں کا مالک بن بیٹھنا تو کل کی بات ہے۔ یورپ کی پوری معلوم تاریخ اسی دہشت گردی سے عبارت ہے۔ تقریباً ڈیڑھ ہزار سال پہلے ۵۲۹ء میں عیسائیت قبول نہ کرنے والی قوموں کو تعلیم کے حصول، ملازمت اور ہر قسم کے انسانی حقوق سے محروم کر دیا گیا تھا۔ پھر معاً بعد شاد لیمین کے عہد میں پورے یورپ کے باشندوں کے سامنے دو ہی راستے رہ گئے تھے۔ عیسائیت یا موت۔ یہی انتخاب اسپین میں مسلمانوں اور یہودیوں کے سامنے رکھا گیا۔ عیسائیت، موت یا جلا وطنی، پھر سترہویں اٹھارہویں صدی میں کیتھولک پروٹسٹنٹ کے مابین نسل کشی یورپ کی تاریخ کا مستقل باب ہے۔ مثل مشہور ہے ''چور کی داڑھی میں تنکا''۔ شاید اسی گھناؤنی دہشت گردی کی تاریخ کے الم نشرح ہوجانے کے اندرونی خوف کی نفسیات کے تحت امریکی و یورپی حکمران وقفہ وقفہ سے انسانی حقوق اور تہذیب کا راگ الاپتے رہتے ہیں۔ گزشتہ دو دہائیوں سے امریکہ میں نیو انجلیکن (صہیونی مسیحیت) کے بے شمار پادری صاحبان کے قائم کردہ سینکڑوں ریڈیو اسٹیشن اور چینل دن رات ''مقدس'' جنگ کی تربیت کے لیے وقف ہیں۔ یہ لوگ عوام کو دنیا کی ایک تہائی آبادی کے قتلِ عام کے لیے ذہنی طور پر تیار کرنے میں جتے ہوئے ہیں۔

بیسویں صدی کے آخری عشرہ میں خیر وشر کے درمیان جنگ میں تیزی دو وجوہ سے آئی ہے۔ ایک افغانستان پر روسی استعمار کے قبضہ کے بعد تقریباً ساٹھ ملکوں کے مسلم نوجوانوں نے جذبۂ جہاد سے سرشار ہو کر افغانستان میں جانیں دیں۔ جن میں بڑے بڑے شہزادے بھی شامل تھے۔ صہیونی ومغرب کے حکمران یہ دیکھ کر حیران وششدر رہ گئے کہ اب تک اسلام وایمان کے رشتہ میں اتنی توانائی وجان باقی ہے۔ دوسرے اس جنگ میں بے سروسامان نہتے مسلم نوجوانوں نے روسی سپر پاور کے جدید ترین اسلحہ کے مقابلہ میں شجاعت وبے جگری کی جو نادر مثالیں قائم کیں اس سے مغرب کے حکمران لرز کر رہ گئے کہ وہ اس جذبۂ جہاد کا مقابلہ کیسے کریں گے کیوں کہ وہ اشیاء کی شکست کے بعد مسلم ملکوں کی تباہی کا پہلے ہی منصوبہ بنا چکے تھے۔

مغرب کی طرف سے مسلم ممالک پر مسلط کردہ حکمرانوں کے لیے حکمرانی کی واحد شرط اسلام اور اسلام پسندوں کے مقابلہ پر مغربی فکر وفلسفہ اور تمدن وکلچر کی ترویج کے لیے کوشاں ہوتا رہا ہے اور اب جدید حالات میں مغرب کے اپنے مسلط کردہ کارندوں (مسلم حکمرانوں) کو ساتھ ملا کر نئی حکمت عملی کے تحت از سر نو منصوبہ بندی کر لی ہے۔ وہ یہ ہے کہ سی آئی اے کی دعوت پر دنیا بھر کے مسلم ممالک سے افغان جہاد میں شرکت کے لیے آنے والے غیر ملکیوں کا مشرف دور میں بری طرح قتل کر کے انھیں نمونۂ عبرت بنا دیا گیا۔ تا کہ دنیا کے آٹھ بڑے (جی ایٹ) بوسنیا کی طرح پھر کسی خطہ کی مسلم آبادی کو ذبح کرنے کا پلان بنائیں تو دنیا کا کوئی مسلمان ان کی کسی طرح مدد کی جرأت نہ کر سکے۔ جنرل پرویز کے سب سے پہلے پاکستان کا یہی مطلب ہے۔ پاکستان مغرب کی آنکھ میں دھول جھونک کر کسی طرح نیوکلیر پاور بن گیا۔ یہ بات ہر آن امریکی،

یورپی حکمرانوں کے دلوں میں کانٹا بن کے کھٹک رہی ہے۔ دوسرے پاکستان کی فوج اپنی بہادری وجفاکشی میں دنیا کی بہترین باصلاحیت فوج مانی جاتی ہے۔ چنانچہ منصوبہ کے تحت فوج کو اپنے ہی عوام سے بھڑادیا گیا اور نائن الیون کے بعد اس بات کا پورا انتظام کر دیا گیا کہ مستقبل میں اس کی جنگیں غیر مسلموں کے بجائے صرف اور صرف مسلمانوں ہی سے ہوں۔ جنرل پرویز عرصہ سے اس فلسفہ پر کام کر رہے ہیں کہ پاکستان کو خطرہ باہر سے نہیں بلکہ اندر سے ہے۔ یعنی اسرائیل، مغرب تو پاکستان کے سچے ہمدرد اور مخلص بہی خواہ ہیں۔ حقیقی دشمن وہ ہیں جو اسلام کی بالادستی کے لیے کوشاں ہیں۔ اسلام آباد کی لال مسجد کے حالیہ واقعہ کو عالمی کشمکش کے اسی تناظر میں دیکھنا ہوگا۔ صرف ایک شخص (عبدالرشید غازی) کو محفوظ راستہ دے کر سب کو باہمی خانہ جنگی اور خوں ریزی کے شیطانی چکر سے بآسانی بچایا جاسکتا تھا۔ خواہ بعد میں وعدہ خلافی کر کے ان پر مقدمہ چلایا جاتا۔ آخر پرویز وردی اور اقتدار کے کتنے ہی وعدے توڑتے رہے ہیں۔ مگر سیکڑوں طالبات کا قتل عام کر کے اس واقعہ کا کلائمکس (انجام) اس طرح کیا گیا کہ ملک کو عملاً خانہ جنگی میں جھونک دیا گیا۔ اب روزانہ درجنوں سیکورٹی اہل کار اور بے قصور عوام کی ہلاکت کا قیامت خیز منظر سامنے ہے۔ شاید بش کی خواہش یہی تھی۔ خانہ جنگی کی آگ کو مزید بھڑکانے کے لیے بش بہادر اور یورپ کی عسکری کمان ناٹو کے ذمہ داران مسلسل بلوچستان وسرحد کے شرپسندوں کو ختم کرنے کے لیے نہ صرف ہر قسم کے جدید اسلحہ اور مالی وسائل کی پیش کش کر رہے ہیں بلکہ عملی طور پر اس جنگ میں پاکستانی افواج کے شانہ بشانہ شرکت کی پیش کش کر رہے ہیں۔ غرض پاکستانی فوج کو اپنے ہی عوام سے ٹکرا کر تباہ کرنے کی گہری سازش میں جنرل پرویز پوری طرح پھنس چکے ہیں اور ان کے پاس اس سے بچ نکلنے کی بظاہر کوئی راہ نہیں رہ گئی۔ موجودہ نقشہ یہ ہے کہ عراق وافغانستان کی طرح پاکستانی فوج کو اسلام پسند لوگوں کے خاتمہ کا ہدف دے کر ملک کو پوری طرح خانہ جنگی میں جھونک دیا گیا۔ اب دونوں فریقوں (فوج، جہادی) میں جو بھی مرے بش بہادر کے لیے جشن وخوشی کی نوید ہوگی گویا اس کے دونوں ہاتھوں میں لڈو ہیں۔

الغرض شر وخیر کا یہ معرکہ اپنے فائنل راؤنڈ میں ہے جسے بائبل میں آرمیگڈون اور حدیث میں ملحمۃ الکبریٰ کہا گیا ہے۔ دنیا کے ہر فرد وبشر کو لازمی طور پر شر وخیر کے معرکہ میں ایک کا انتخاب کر کے میدانِ کارزار میں آنا ہوگا۔ ایک حدیث میں وارد ہے۔ مسلمانوں کو ختم کرنے کے لیے جو لشکر نکلے گا' اس کے اسی جھنڈے اور ہر جھنڈے کے نیچے بارہ ہزار کا لشکر ہوگا (شاید UNO کے بڑے جھنڈے کے تحت اسی ملکوں کے ذیلی جھنڈے؟) دنیا کے سب سے سچے انسان صادق الامین صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ ایک وقت آئے گا جب مسلمان دو خیموں (گروپ) میں تقسیم ہوجائیں گے۔ ایک خیمہ ایمان کا ہوگا جس میں ذرہ برابر نفاق نہیں ہوگا۔ دوسرا نفاق کا ہوگا اس میں ذرہ برابر ایمان نہیں ہوگا۔ لگتا ہے کہ حالات تیزی سے اسی طرف رواں دواں ہیں۔ ایمان کا خیمہ عالمی کفر دجالی طاقتوں سے برسرِ پیکار مسلمانوں کا اور نفاق کا مغربی طاقتوں کے ہم نواؤں کا معلوم ہوتا ہے۔ بہت جلد مصلحت ومصالحت پسندوں اور عالمی کفر سے راہ ورسم رکھ کر درمیانی راہ تلاش کرنے والوں کو بھی ایمان یا نفاق کے کسی ایک خیمہ کا انتخاب کرنا ہوگا۔ غرض وہ وقت قریب نظر آتا ہے جب ہر مسلمان کو یہ فیصلہ لینا ہوگا کہ وہ کس خیمہ میں ہے ایمان کے یا نفاق کے، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یا بش اور ڈک چینی کے خیر، خیر کے یا شر کے۔

پروفیسر مشتاق خان کیانی (لندن)

''پاک اسرائیل دوستی کی ضرورت''

محترم پروفیسر مشتاق خان کیانی' پاکستانی نژاد برطانوی ہیں۔ وہ ایچ ای سن کالج لاہور میں تدریس کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔۱۹۷۰ء میں برطانیہ منتقل ہوگئے اور ایک طویل عرصہ آکسفورڈ یونیورسٹی پڑھاتے رہے۔ تاریخ ان کا موضوع ہے۔ آج کل لندن میں مقیم ہیں۔ گزشتہ دنوں سفر برطانیہ کے دوران اُن سے رابطہ ہوا۔ بہت سے موضوعات میں ہمارے ہم فکر ہیں۔ ہم ''نقیبِ ختم نبوت'' میں انھیں خوش آمدید کہتے ہیں۔ اور توقع رکھتے ہیں کہ وہ اپنی تحریروں اور قیمتی آراء کے ذریعے ہماری رہنمائی فرماتے رہیں گے۔ ان شاءاللہ (عبداللطیف خالد چیمہ)

''اردو ٹائمز'' یو کے ۳ مئی ۲۰۰۷ء کے شمارہ میں جناب وجاہت علی خان کا ایک مضمون بعنوان بالا چھپا ہے۔ جو کہ بدقسمتی سے سراسر غلط بیانی پر مبنی ہے۔ موصوف نے حالات اور واقعات کو توڑ موڑ کر قارئین کو گمراہ کرنے کی سعیٔ لا حاصل کی ہے اور اپنی ذاتی ترجیحات اور خواہشات کو'' قومی مفاد'' کا جامہ پہنا کر پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ اسرائیلیوں سے وجاہت علی خان صاحب کے ذاتی رابطے اور نجی تعلقات کس نوعیت کے ہیں' اس کا مجھے کوئی علم نہیں ہے۔ مگر ناؤ نوش اور حسینوں کی محفلیں جمانا اور نوجوان صحافیوں کو اس دامِ تذویر میں گرفتار کرنا اسرائیلیوں کے پرانے اور آزمائے ہوئے حربے ہیں۔ نوجوان تو کیا بڑے بڑے پختہ کار اور تجربہ کار لوگ بھی بہک جاتے ہیں۔ کچھ لوگ ایک گلاس بیئر (Beer) میں بہک گئے

سر ظفر اللہ خان (قادیانی) جیسے تجربہ کار اور قانون دان بھی صیہونی (Zionism) حربوں سے محفوظ نہ رہ سکے۔ ۱۹۴۵ء تک سر ظفر اللہ تقسیم فلسطین اور عرب سرزمین پر ایک یہودی مملکت کے قیام کے خلاف تھے۔ مگر ۱۹۴۵ء کے آخر میں وہ ہندوستان کی نمائندگی کرتے ہوئے ایک کانفرنس میں شرکت کے لیے لندن آئے۔ یہاں ان کی ملاقات مسٹر چیم ویزمین (Mr. Chaim Weizman) سے ہوئی جو یہودی ایجنسی کے سربراہ تھے۔ مسٹر ویزمین نے سر ظفر اللہ کو فلسطین آنے کی دعوت دی جو سر ظفر اللہ خان نے بصد شوق قبول کر لی اور اپنے آپ کو مکمل طور پر صیہونی منتظمین کے حوالے کر دیا۔ صیہونی شاطروں نے فقط ایک ہفتہ کے اندر نہ جانے کیا جادو چلایا کہ سر ظفر اللہ نہ صرف صیہونیت (Zionism) کے قائل بلکہ حامی اور ایک فعال کارکن بن گئے اور تقسیم فلسطین کے صیہونی (Zionist) منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے بھرپور کوششیں شروع کیں۔

اس تاریخی حوالے کا مقصد صرف یہ ہے کہ جب سر ظفر اللہ خان جیسے گرگ جہان دیدہ کو صیہونی اسرائیلی

شاطروں نے ایک ہفتہ کے اندر شیشے میں اتارا تو وجاہت علی خان جیسے سیاسی اور صحافی طفل مکتب کو لندن کے ایک ہوٹل میں ایک گلاس بیئر (Beer) پلا کر صہیونیت کا مبلغ بنانا نہ تو کوئی بڑا کارنامہ ہے اور نہ ہی یہ کوئی تعجب کی بات ہے۔

البتہ وجاہت علی خان صاحب کا یہ کہنا درست ہے کہ پاکستان کے اسرائیل کے ساتھ تعلقات دیرینہ مگر ہمیشہ خفیہ رہے ہیں اور اس کی ایک تاریخی وجہ ہے اور وہ یہ ہے کہ پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ سر ظفر اللہ خان تھے۔ وہ پاکستان کی خارجہ پالیسیوں کے نہ صرف معمار تھے بلکہ روح رواں تھے۔ ان کے بنائے ہوئے اصولوں، ترجیحات اور خواہشات پر پاکستانی خارجہ پالیسی کی عمارت کی بنیاد رکھی گئی تھی۔ سر ظفر اللہ خان ایک کٹر قسم کے صہیونی تھے اور اسرائیل کے قیام و بقاء کے زبردست حامی تھے۔ پاکستان کی انتظامیہ میں خطاب یافتہ جاگیرداروں اور انگریز کا پروردہ ایک بااثر ٹوڈی ٹولہ بھی موجود تھا۔ جس کی تمام ہمدردیاں اور تعاون سر ظفر اللہ خان کے ساتھ تھیں۔ مگر گورنر جنرل محمد علی جناح اور وزیر اعظم لیاقت علی خان مسلم اور عرب سرزمین پر ایک صہیونی ریاست کے قیام کے خلاف تھے اور اسرائیل کو مسلمانوں کے مجموعی مفادات کے خلاف ایک سامراجی صہیونی سازش سمجھتے تھے۔

جب سر ظفر اللہ خان نے دیکھا کہ پاکستان کے بانی اور وزیر اعظم اسرائیل کے سخت مخالف ہیں تو اس نے روایتی منافقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ریاکارانہ اور ظاہری طور پر فلسطینیوں کے حق میں اقوام متحدہ میں بڑی طویل اور بے معنی تقریریں شروع کیں اور یہ تاثر دیا کہ وہ فلسطینیوں کے حق میں اور اسرائیل کے خلاف ہے مگر یہ سب محض دکھاوا تھا۔ اندر سے اور خفیہ طور پر وہ اسرائیلی مفادات کے لیے کام کر رہا تھا اور اسرائیلیوں کو یقین دلا رہا تھا کہ پاکستان عنقریب اسرائیل کو تسلیم کرے گا اور سفارتی تعلقات قائم کرے گا۔

چنانچہ ۱۹۵۰ء میں اقوامِ متحدہ میں پاکستان کے سفیر ایس اے بخاری نے اسرائیلی سفیر مسٹر ابا ایبان (Abba Eban) کو یقین دلایا تھا کہ پاکستان بہت جلد اسرائیل کو تسلیم کر لے گا۔ ۱۹۵۳ء میں نیویارک میں مسٹر ایبان کی سر ظفر اللہ خان سے ملاقات ہوئی تو مسٹر ایبان نے پوچھا پاکستان نے ابھی تک اسرائیل کو تسلیم کیوں نہیں کیا۔ سر ظفر اللہ خان نے پھر جھوٹ اور بددیانتی سے کام لیتے ہوئے جواب دیا کہ لیاقت علی خان اسرائیل کے حق میں تھے اور سفارتی تعلقات قائم کرنا چاہتے تھے۔ مگر ان کے قتل کے بعد خواجہ ناظم الدین کی نئی حکومت بہت کمزور ہے اور اس وقت اسرائیل کو تسلیم کر کے عوامی ردّعمل سے خائف ہے۔ اس لیے اسرائیل کو تسلیم کرنے میں فی الحال ذرا دقت پیش آ رہی ہے۔ یہاں یہ مناسب ہوگا کہ تاریخی حوالے اور پس منظر میں سر ظفر اللہ خان کے چہرے سے پردہ اٹھایا جائے اور ان کو ان کے اصلی روپ میں پیش کیا جائے تاکہ قارئین خود فیصلہ کریں کہ اس وقت پاکستان میں جو حالات رونما ہو رہے ہیں اُن میں کن کن وطن فروش اور نقاب پوش غداروں کی سازشیں کارفرما ہیں۔ غداری اور منافقت کے جو بیج سر ظفر اللہ اور سر فیروز خان نون نے بوئے تھے اب وہ ایک قد آور درخت بن گئے ہیں اور پاکستانی عوام کو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑ رہا ہے:

وہ وقت بھی دیکھا ہے تاریخ کی گھڑیوں نے
لمحوں نے خطا کی تھی، صدیوں نے سزا پائی

سرظفراللہ خان (۱۸۹۳ء۔۱۹۸۵ء) عقیدے کے لحاظ سے احمدی (قادیانی) تھے اور مرزا غلام احمد (۱۸۳۸ء۔۱۹۰۸ء) کو نبی اور پیغمبر مانتے تھے۔ قادیانیوں کے عقیدے کے مطابق ہر وہ انسان جو مرزا قادیانی کو نبی نہیں مانتا وہ کافر اور اگر مسلمان ہے تو وہ خارج از اسلام ہے۔

مرزا غلام احمد کو نبوت کے درجے تک پہنچانے میں اور نبی بنانے میں انگریز سامراج کا بہت بڑا ہاتھ تھا۔ اٹھارہویں صدی سے انگریزوں نے اپنے نوآبادیاتی نظام کے ذریعے ایشیا اور شمالی افریقہ کے اُن تمام علاقوں پر قبضہ جمالیا تھا جہاں مسلمانوں کی کثیر آبادی تھی۔ چونکہ اسلام ظلم، تشدد اور استحصال کے خلاف ہے اور جب اس طرح کے حالات سے مسلمان دوچار ہوں تو اسلام مزاحمت کی تعلیم دیتا ہے اور مسلمانوں پر لازم ہو جاتا ہے کہ وہ ظلم، استبداد اور ناانصافیوں کے خلاف نہ صرف آواز بلند کریں بلکہ عملی طور پر اُن طاغوتی طاقتوں کو چیلنج کریں اور مزاحمت کریں۔ یہ مزاحمت عسکری اور غیر عسکری بھی ہوسکتی ہے۔ اسلامی اصطلاح میں اس مزاحمت کو جہاد کہتے ہیں۔

انگریز سامراج مزاحمت (جہاد) کے اس تصور سے بہت خائف تھے اور اُن کی نیندیں حرام ہوگئی تھیں۔ ان کو یہ ڈر تھا کہ کہیں یہ سارے مسلمان متحد ہو کر ہمارے خلاف مزاحمت (جہاد) کی جنگ شروع نہ کر دیں۔ لہٰذا اس مسئلہ کا حل تلاش کرنا انگریزی سامراجی خارجہ پالیسی کا ایک بہت اہم جزو بن گیا تھا۔ ان کی بڑی خواہش تھی کہ وہ ایک ایسا حل تلاش کریں جو مسلمانوں کو اس مزاحمت (جہاد) کے نظریہ سے دور ہٹا دے اور بجائے مقابلہ اور مزاحمت کے فرماں بردار، تابع اور خدمت گار بنا کر نوآبادیاتی نظام کے سامراجی مقاصد کے حصول کے لیے معاون و مددگار بنائے۔

مرزا قادیانی کی صورت میں سامراج کو وہ سب کچھ مل گیا جس کی ان کو تلاش تھی۔ کیوں کہ مرزا قادیانی نے ظلم واستبداد کے خلاف جنگ (جہاد) کو نہ صرف حرام قرار دیا بلکہ اپنے مریدوں کو ہدایت کی کہ وہ انگریز کی وفاداری اور خدمت کو اپنے ایمان کا حصہ سمجھیں اور ہمہ وقت خدمت کے لیے تیار رہوں۔ مرزا قادیانی کی گمراہ کن اور انگریز پرست تعلیمات کے نتیجہ میں عام مسلمان اس کے خلاف ہوگئے اور ایک ایسا بھی مرحلہ آیا جہاں ان کی جان خطرے میں پڑ گئی۔ مگر انگریز سرکار نے ان کو بچالیا اور ان کی جانی اور مالی حفاظت کے انتظامات کیے گئے۔ اس واسطے مرزا قادیانی انگریز سامراج کے بہت مشکور وممنون اور نہایت احسان مند تھے اور انگریزی سامراجی حکومت کو رحمت الٰہی سمجھتے تھے۔ عقیدت مندوں کو حکم تھا کہ وہ انگریز سے وفاداری اور خدمت میں کوئی کوتاہی نہ کریں بلکہ عبادت سمجھ کر ادا کریں۔

اس پس منظر میں سرظفر اللہ کو اس کے آقا انگریز سامراج کا حکم ہوا کہ وہ سامراج کے نوآبادیاتی نظام (Colonialism) کے مفادات کے حصول کی خاطر صہیونیت (Zionism) کے قیام وبقاء کے لیے کام کرے تو وہ فوراً

کمر بستہ ہو کر ایک سپاہی کی طرح میدانِ عمل میں کود پڑے۔ وطن عزیز کے عام اور دانشور لوگوں کو اکثر یہ کہتے سنا ہے کہ بد قسمتی سے پاکستان بننے کے بعد حالات خراب ہوتے چلے گئے۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اس میں قسمت یا اتفاق کا کوئی دخل نہیں ہے بلکہ جو حالات اب تک رونما ہو رہے ہیں، یہ ایک سوچی سمجھی سامراجی منصوبہ بندی کے نتائج ہیں اور اس منصوبہ کی تکمیل کے لیے سر ظفر اللہ خان اور اس کے بعد سر فیروز خان نون پاکستان کے وزیر خارجہ بنا دیئے گئے تھے تاکہ پاکستان ہمیشہ کے لیے سامراج کا آلہ کار اور حلقہ بگوش غلام بنا رہے۔ کیوں کہ ان دونوں حضرات کے عہدِ وزارت کے دوران پاکستان کو بلاوجہ اور بلاضرورت مغربی سامراجی عسکری علاقائی پیکٹوں اور تنظیموں میں پھنسایا گیا اور پاکستان اپنے ہمسایہ مسلم ممالک سے دور ہو کر مغربی سامراج کا اتحادی بن گیا۔ اس دوران چار بدنام زمانہ پیکٹ وجود میں آئے:

(۱)　سیٹو (Seato)

(۲)　سنٹو (Cento) یا بغداد پیکٹ

(۳)　امریکن مڈل ایسٹ ڈیفنس آرگنائزیشن (MEDO)

(۴)　موچل ڈیفنس ایگریمنٹ (M.D.A)

ان تمام فوجی معاہدوں اور پیکٹوں کے چار بنیادی مقاصد تھے:

(۱)　مشرق وسطیٰ کے تمام تیلی ذخیروں اور وسائل پر برطانوی اور امریکی سامراج کا مستقل اور بلاشرکتِ غیرے قبضہ اور ان کا استحصال

(۲)　سامراج کے خلاف ابھرتی ہوئی رائے عامہ کو دبانا اور ان میں انتشار پیدا کرنا اور حریت پسند رجحانات اور تنظیموں کو کچلنا

(۳)　اسرائیل کے بقاء واستحکام کے لیے اس کے ہمسایہ ملکوں کو اس قدر کمزور رکھنا کہ وسائل کے باوجود وہ مغرب کے سہارے کے محتاج ہوں

(۴)　مغرب پرست عسکری آمروں اور مطلق العنان بادشاہوں کی ہر صورت اور ہر حال میں مدد کرنا اور ان کو اقتدار پر قائم رکھنا

سر ظفر اللہ خاں کی ان تھک کوششوں کے نتیجہ میں پاکستان نہ صرف ان تمام مسلم دشمن معاہدوں میں شامل ہو گیا بلکہ ایک فعال ممبر کی حیثیت سے پاکستان نے وہ تمام اہداف پورے کیے جو اِن معاہدوں کے تقاضے تھے۔ ان ''خدمات'' کے عوض میں اور شاندار کامیابی پر ۱۹۵۴ء میں امریکی صیہونی انتظامیہ نے سر ظفر اللہ خاں کو انٹرنیشنل کورٹ آف جسٹس ہیگ میں جج نامزد کر کے مقرر کیا۔ حکومت پاکستان کو بتایا تک نہیں۔

صیہونیت (Zionism) کے یہ انعامات اور اکرامات صرف ظفر اللہ خان کی ذاتِ گرامی تک محدود نہیں تھے بلکہ قادیانیوں کو اسرائیل میں ایک خاص مقام حاصل ہے۔ اس وقت کوئی ایک ہزار سے زائد قادیانی اسرائیل میں مستقل

سکونت پذیر ہیں اور ان کو وہی مراعات حاصل ہیں جو اسرائیلیوں کو حاصل ہیں۔مثلاً وہ فوج اور پولیس میں بھرتی ہوکر فلسطینیوں کے قتل عام میں حصہ لے سکتے ہیں۔

سرظفراللہ خاں کے جانے کے بعد پاکستانی وزارت خارجہ میں سرملک فیروز خان نون براجمان ہوئے۔ملک صاحب برطانوی سامراج کے ایک تجربہ کار اور نمک خوار خادم تھے۔آقا کی خدمت اور تابعداری ان کی قدیمی خاندانی روایات میں شامل تھی۔وہ بجا طور پر فخریہ اور برملا کہہ سکتے تھے:

غدر کی ساعتِ ناپاک سے لے کر آج تک
ہر کڑے وقت میں انگریز کی خدمت کی ہے

اس وفاداری اور خدمت گزاری کے عوض ان کو جاگیروں،عہدوں اور خطابات سے نوازا گیا تھا۔وہ سامراج کے تاج میں ایک درخشاں ستارے کے مانند تھے۔انگریزوں کو پورا احساس تھا کہ سرفیروز خان نون اور اس قماش کے دوسرے ٹوڈی جاگیرداروں کے تعاون اور خدمات کی وجہ سے ان کی حکومت کو ہندوستان میں دوام حاصل ہے۔لہٰذا وہ ایسے خادموں کے لیے ہمیشہ نرم گوشہ رکھتے تھے۔اور ہر وقت مائل بہ کرم ہوتے تھے۔جب آقا مہربان ہوا اور غلام پر نوازشات برسانے کا وقت آیا تو حسب دستور قرعہ فال جناب سرملک فیروز خان نون کے نام نکلا اور آپ ہندوستان کے پہلے ہندوستانی ہائی کمشنر بن کر ۱۹۳۶ء میں لندن وارد ہوئے تاکہ وہ آقا کے چرنوں میں بیٹھ کر خدمت اور غلامی کا کما حقہٗ حق ادا کرسکیں:

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

ایک سوچی سمجھی ترکیب کے مطابق یہاں لندن میں ان کی ملاقات آسٹریا کی ایک صہیونی (Zionist) یہودن خاتون سے کرائی گئی۔ملک صاحب اس حسینہ کے زلف گرہ گیر میں ایسے الجھ گئے کہ خلاصی مشکل ہوگئی۔بعد میں یہ خاتون بیگم وقارالنساء نون کے نام سے مشہور ہوگئیں۔

تقسیم ہند کے نتیجے میں جب پاکستان معرض وجود میں آیا تو یہ نیا ملک تمام ٹوڈیوں، جاگیرداروں اور تاج برطانیہ کے ''غلامانِ خاص'' کی توجہ کا مرکز اور آماجگاہ بن گیا۔مگر قائداعظم اور لیاقت علی خان کی موجودگی میں یہ ٹولہ زیادہ فعال نہ رہا بلکہ ان کی کارروائیاں زیرزمین رہیں۔جونہی یہ دوہستیاں اٹھ گئیں، یہ ٹولہ پھر سرگرم عمل ہوا۔چنانچہ غلام محمد، سکندر مرزا اور دوسرے راج کے پالے ہوئے نئے پاکستان کے سیاہ وسفید کے مالک بن بیٹھے۔سرفیروز خان نون اور سرظفراللہ خان یکے بعد دیگرے وزیر خارجہ بن گئے۔اس طرح ان تمام سامراج پرست صہیونی اسرائیل نواز گروہ کی خوابوں اور منصوبوں کی تکمیل ہوگئی۔وزارت خارجہ کو ٹوڈیوں، ذہنی غلاموں، صہیونی اسرائیل نواز سامراج پرستوں سے بھر دیا گیا اور پاکستانی خارجہ پالیسی کا رُخ مشرق سے ہٹا کر مغرب کی جانب پھیر دیا گیا اور ہر موقع اور محل پر اسلام اور مسلمانوں سے غداری کر کے مغربی اور سامراجی مفادات اور ترجیحات کا ہمیشہ ساتھ دیا گیا۔اگر اس میں کوئی کمی رہ گئی تھی تو

وہ یادش بخیر جنرل پرویز مشرف نے بُش کا اتحادی بن کر ہمسایہ مسلمان ملک افغانستان پر حملہ کر کے پورا کر دیا:

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

امریکی، صہیونی صلیبی جنگ ''وار آف ٹیرر'' میں شامل ہو کر لاکھوں بے گناہ مسلمانوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگین کر کے جنرل پرویز مشرف اپنی بہادری پہ نازاں ہوتے نظر آتے ہیں۔

اسی طرح کا ایک واقعہ ۱۹۵۶ء میں پیش آیا تھا اور اس وقت کے وزیر اعظم مسٹر سہروردی اور وزیر خارجہ سر فیروز خان نون نے بالکل وہی کردار ادا کیا تھا جو اس وقت جنرل پرویز مشرف ادا کر رہے ہیں جب جمال عبدالناصر نے نہر سویز کو قومی ملکیت میں لے لیا چونکہ ناصر کا یہ عمل سامراج کے مفادات کے خلاف تھا چنانچہ برطانیہ، فرانس اور اسرائیل نے ۱۹۵۶ء میں مصر پر جارحانہ حملہ کر دیا۔ دنیا کے تمام ممالک نے اس برہنہ جارحیت کے خلاف احتجاج کیا اور جارح کی بھرپور مذمت کی۔ یہاں تک کہ امریکہ جو عام طور پر مغربی بلاک کا سردار مانا جاتا ہے نے بھی اس جارحیت کی نہ صرف مذمت کی بلکہ جوابی کاروائی کی دھمکی بھی دی۔ مشرق وسطیٰ اور خاص طور پر مصر کی نظریں پاکستان کی طرف لگی ہوئی تھیں کہ اسلام کے ناتے نہ سہی، محض حق وانصاف کے تقاضے کہ پیش نظر پاکستان اس جارحیت کی پُر زور مذمت کرے گا۔ پاکستان کے وزیر اعظم مسٹر سہروردی نے وزیر خارجہ سر فیروز خان نون کے مشورہ پر مذمت تو خوب کی، مگر جارح کی نہیں مجروح کی خوب مذمت کی گئی اور مظلوم عبدالناصر پر برس پڑے کہ اس نے جارح کے مفادات کے خلاف نہر سویز کو کیوں قومی ملکیت میں لے لیا۔ لہٰذا ناصر مجرم ہے:

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

غلامانہ ذہنیت کی حامل، صہیونیت (Zionism) نواز اور اسرائیل دوست' پاکستان کی وزارت خارجہ نے محض ناصر کی مذمت پر اکتفا نہیں کیا تھا بلکہ مصر کے تازہ زخموں پر مزید نمک چھڑکا۔ مصر پر اس جارحانہ حملہ کے چند ماہ بعد کینیڈا میں ایک سفارتی تقریب میں پاکستان کے ہائی کمشنر مرزا عثمان علی بیگ نے اسرائیلی سفیر مسٹر ایم۔ ایس کومے کو اسرائیلی فوج کی شاندار کامیابی پر گرم جوش مبارک باد پیش کرتے ہوئے کہا ''ہمیں امید تھی کہ اسرائیل کی بہادر اور فاتح فوج جلد قاہرہ پر قابض ہوگی۔ مگر ایسا نہ ہوا۔ ہمیں اس کا افسوس ہے'' اور ساتھ ہی جمال عبدالناصر پر برس پڑے اور خوب برائی کی اور انھیں ایک خطرناک لیڈر قرار دیا۔

ان حقیقی واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ پاکستان کی خارجہ پالیسی مرتب کرنے والوں نے ہمیشہ صہیونی، سامراجی اور اسرائیل نواز مفادات کو پیش نظر رکھا ہے اور ہمیشہ مغربی مفادات کے آلہ کار رہے ہیں اور اپنی قوم اور مسلم اُمہ سے غداری کی ہے۔ اس صورت حال میں اگر مرحوم یاسر عرفات، جمال عبدالناصر یا کوئی اور حریت پسند لیڈر پاکستان کے

خلاف منفی جذبات رکھتے تھے تو وہ بالکل حق بجانب تھے۔

بعض سادہ لوح لوگ صہیونی اور سامراج دشمنی کا تعلق مذہب سے جوڑنے کی کوشش کرتے ہیں اور مذہبی حلقوں پر الزام دھرتے ہیں کہ ان کی وجہ سے اسرائیل کی مخالفت ہو رہی ہے۔ یہ بالکل بے بنیاد الزام ہے۔ تاریخی طور سے دیکھا جائے تو مذہبی قیادت نے مجموعی طور پر ہمیشہ سامراج کا ساتھ دیا ہے۔ اس مسئلہ کا تعلق مذہب سے نہیں انصاف سے ہے۔ اس وقت امریکہ، برطانیہ، اسرائیل اور دوسرے یورپی ممالک میں تقریباً ۵۰٪ فیصد لوگ صہیونیت اور اسرائیل کے خلاف ہیں۔ اور اس مخالفت کے لیڈر یہودی ہیں اور نامور شخصیات ہیں۔ انصاف پسند یہودیوں کا اسرائیل کے خلاف ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اسرائیل ایک تنگ نظر، متعصب، نسل پرست، ظالم، وحشی اور فسطائی (Fascist) حکومت ہے۔ جو کہ عربوں کے قتل عام میں مصروف ہے۔ جہاں عورتوں اور بچوں کا قتل عام روز کا معمول ہے۔ جہاں غیر یہودی انسان نہیں بلکہ کتوں سے کم تر اور بدتر سمجھے جاتے ہیں اور ان کے ساتھ انسانیت سوز سلوک کیا جاتا ہے۔ اگر نازی ازم (Nazism) برا اور مکروہ ہے تو صہیونیت اس سے ہزار درجہ بدتر ہے۔

جو لوگ اسرائیل جیسے نسل پرست، متعصب، مجرم اور فسطائی حکومت سے سفارتی تعلقات قائم کرنے کے خواہاں ہیں وہ یا تو اسرائیل کی دہشت گرد تاریخ اور دہشت گرد کارروائیوں سے آنکھیں بند کیے ہوئے ہیں یا یہ لوگ ذہنی بد دیانتی اور منافقت کا شکار ہیں۔ دونوں صورتوں میں یہ لوگ قابل رحم بھی ہیں اور قابل نفرت بھی۔

انگریزی کتابوں کے حوالے

(1) Beyond The Veil (Israeli- Pakistan Relations) By: Prof. P.R. Kumara Swamy of Jaffe Centre for strategic studies. Telaviv University Israel. Published in March 2000.

(2) Diaries and Letters of Chaim Weizmann President of World Jewish Agency-Israel.

(3) Imapct Magazine London August 2003 Pakistan-Palestine The Zionist within

ڈاکٹر محمد عمر فاروق

ضیاء الحق اور موجودہ حکمران

حالات کی بے رحم خزاں چمن کو بے طرح تاخت و تاراج کرتی جارہی ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ بہاروں کو گلستاں سے گئے ہوئے صدیاں گزر چکی ہیں۔ ویرانی کی اِن نامبارک ساعتوں میں آج نجانے کیوں؟ اس شخص کی یادیں بار بار بادِ بہاری کے روح پرور اور جاں فزا جھونکوں کی طرح قلب و جاں کو سکون و راحت بخشنے لگی ہیں۔ جسے اپنے عہد میں کچھ لوگوں نے ڈکٹیٹر اور غاصب کے القاب سے نوازا اور دوسری طرف عوام کی ایک بڑی تعداد اسے آج بھی اپنے دل کے قریب پاتی ہے۔

ضیاء الحق اپنے پیشرو حکمرانوں کی طرح کا ہی ایک حکمران تھا، لیکن عہدِ موجود کے حکمرانوں کی چیرہ دستیوں کے پیشِ نظر وہ آج بھی اپنی مخصوص ڈھب اور وضع قطع میں منفرد اور امتیازی حکمران کے طور پر نمایاں دکھائی دیتا ہے۔ جس کا کردار و عمل آج کے اربابِ اختیار کے طرزِ عمل سے ہزار درجہ فائق محسوس ہوتا ہے۔

پی این اے کی تحریک کے نتیجے میں بھٹو حکومت کو ضیاء الحق کے مارشل لا نے ختم کر دیا اور وہ چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر کی حیثیت سے ملکی اقتدار کے مالک بن گئے۔ بعد ازاں وہ صدر مملکت بنے اور مجموعی طور پر گیارہ سال تک مسندِ اقتدار پر براجمان رہے۔ ضیاء الحق کو حکومت میں آنے کے کچھ ہی عرصہ کے بعد داخلی امور کے علاوہ خارجی سطح پر بھی بہت بڑے چیلنجوں کا سامنا کرنا پڑا۔ انہوں نے داخلی استحکام قائم کیا۔ جبکہ انہیں خارجی سطح پر افغانستان پر روسی جارحیت کے اثرات سے پاکستان کی سلامتی کا تحفظ یقینی بنانے کے لیے شدید صبر آزما مراحل اور جاں گسل مشکلات سے گزرنا پڑا۔ ایک جانب روس کے توسیع پسندانہ عزائم تھے اور دوسری طرف امریکہ اپنے مفادات کے حصول کے لیے پاکستان کو اپنی آماجگاہ بنانے کے لیے سازشوں کے جال بُن رہا تھا۔ یہ نازک حالات جذباتی فیصلوں کی بجائے اربابِ حکومت کی بصیرت اور تدبر کا امتحان تھے۔ ضیاء الحق نے اپنے رفقاء کے ساتھ گہری مشاورت کے بعد وہ تاریخ ساز اقدامات کیے کہ جن کے دور رس نتائج پر دنیا آج بھی انگشت بدنداں ہے۔

ضیاء الحق مرحوم نے افغان مجاہدین کی اخلاقی حمایت کا اعلان کیا۔ روسی درندگی کے ہاتھوں ہجرت کر کے پاکستان آنے والے افغان مہاجرین کی میزبانی کے انتظامات کیے۔ ضیاء الحق نے کسی بھی سُپر پاور کو خاطر میں لائے بغیر افغان مجاہدین کی ہر سطح پر امداد کا یہ اعلان اس وقت کیا، جب افغان مجاہدین بغیر کسی بیرونی امداد اور سہارے کے، محض اللہ کے توکل پر اپنی ناتواں جانوں کے ساتھ سرخ عفریت کے سامنے سینہ سپر تھے۔ اور امریکہ بھی ابھی تک دور سے ہی حالات کا باریک بینی سے مشاہدہ کرنے میں مصروف تھا۔ ضیاء الحق کے ان اعلانات نے بظاہر پاکستان کے لیے خطرات

کے دروازے کھول دیئے۔ سوویت یونین پاکستان کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کی دھمکیاں دینے لگا اور اس موقع پر جب امریکہ کو روس کے مقابلے میں پاکستان کا کھل کر ساتھ دینا چاہیے تھا، امریکہ نے تماشائی بن کر خاموشی اختیار کر لی، لیکن وقت آنے پر دنیا نے دیکھا کہ بالآخر امریکہ کو افغان مجاہدین کی مدد کرنا پڑی، اسے روس کے گرم پانیوں تک پہنچنے کے ارادوں کے روکنے کے لیے خطّے میں پاکستان کی اہمیت و کردار کو تسلیم کرنا پڑا۔ یہ افغانیوں کا جذبۂ جہاد اور ضیاء الحق کا دوٹوک مؤقف اور مضبوط کردار ہی تھا کہ جس نے روس جیسی ایک سُپر پاور کو افغانستان نے اپنے زخم چاٹتے ہوئے واپس جانے پر مجبور کر دیا اور دوسری سپر پاور امریکہ کو اسلام کی ابھرتی ہوئی قوت سے شدید خطرات لاحق ہوئے۔

صدر ضیاء الحق کے دور کا موجودہ حکمرانوں کے عہد سے موازنہ کیا جائے تو حیرت ہوتی ہے کہ نائن الیون کے واقعہ کے بعد امریکیوں کی ایک فون کال پر اہلِ اقتدار ڈھیر ہو گئے اور ذاتی مفادات کی قیمت پر وہ افغانستان کے طالبان مجاہدین اور اپنے مسلمان افغان بھائیوں کے قتل عام کے لیے امریکی سامراج کا دست و بازو بن گئے، جہاں سے حوصلہ پا کر خونخوار امریکی درندے عراق پر چڑھ دوڑے اور مشرقِ وسطیٰ میں پاؤں جما کر بیٹھ گئے۔ پھر امریکہ نے پرویز مشرف کے نعرے ''سب سے پہلے پاکستان'' کی تکمیل کے لیے پہلے محسنِ پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان پر اپنا وار کیا۔ ذلت آمیز مراحل سے گزار کر انہیں اذیت ناک قیدِ تنہائی میں ڈال دیا۔ پھر باجوڑ اور دیگر قبائلی علاقوں میں اندھا دھند بمباری سے محبِّ وطن پاکستانیوں کے خون سے ہولی کھیلی گئی۔ فضائی اور زمینی سرحدی خلاف ورزیاں روز کا معمول بن گئیں۔ قبائلی علاقوں میں پاک فوج کو قبائلیوں کے مقابل لا کھڑا کیا گیا اور اس طرح اب اپنے ہی مسلمان بھائیوں کے خلاف صف آرائی کر کے ملک میں خانہ جنگی کا سامان مہیا کر دیا گیا ہے۔ حکمرانوں نے امریکی غلامی کی انتہاؤں کو چھوتے ہوئے سینکڑوں بچوں اور بچیوں کے خونِ ناحق سے لال مسجد کو لالہ زار کیا اور سفّاک بش سے دادِ عیش وصول کی۔

ایک طرف صدر ضیاء الحق نے ۱۹۸۴ء میں قادیانیوں کو اسلامی شعائر کے استعمال سے روکنے کے لیے ''امتناعِ قادیانیت آرڈیننس'' جاری کیا تو پرویز مشرف کی حکومت نے برطانیہ کی خوشنودی کے لیے آئینِ پاکستان ہی کی دھجیاں بکھیرتے ہوئے جناب نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کے تحفظ کے لیے لکھی جانے والی غیر متنازعہ اسلامی کتابوں پر پابندی لگا دی اور منکرینِ ختم نبوت قادیانیوں کو بے لگام کر کے سِکّہ بند قادیانی مشیروں کی ایک کھیپ کو اپنے گرد جمع کر لیا۔

ضیاء الحق نے رسالت کے سدباب کے لیے ایک آئینی ترمیم ۲۹۵ سی کے ذریعے قانون توہینِ رسالت کو نافذ کیا، مگر موجودہ حکمرانوں نے امریکہ کے ایما پر اس قانون میں تحریف و تبدل کر کے عملاً اسے غیر مؤثر کر دیا۔ جس کے نتیجہ ہے کہ آج بدبخت شاتمانِ رسول تعزیر سے بے پروا اور کسی بھی خوف سے آزاد ہیں۔ فوجی وردی کے خلاف بولنا جرم اور توہینِ رسالت کا ارتکاب آسان ہے۔

حدود کا قانون بھی ضیاء الحق کے نامۂ اعمال کا ایک روشن باب تھا، جسے اب روشن خیالوں نے یکسر تبدیل کر کے

خواتین کے حقوق کے نام پر بدکاری کو قانونی تحفظ فراہم کرنے کا ارتکاب کیا ہے۔

ضیاء دور میں علماء اور دینی مدارس کی بھرپور سرپرستی کی گئی اور معاشرہ میں ان کے مقام کو بحال کرنے کی مساعی بروئے کار لائی گئیں، مگر اعتدال پسندی کے پردے میں اب امریکہ نوازوں نے دینی مدارس اور علماء کرام کے وجود کو مٹانے کا عزم کر رکھا ہے۔ دہشت گردی کے عنوان سے مدارس اور علما کے گھروں پر چھاپے، گرفتاریاں اور سزائیں روز کا معمول بن چکی ہیں

جہادِ افغانستان کی برکت سے اس گئے گزرے دور میں جہاد کی بھولی بسری سُنت زندہ ہوئی اور دنیا بھر سے مسلمانوں نے اس جہاد میں جی بھر کے شرکت کی۔ وہ شہادت کی سعادت سے بہرہ مند ہوئے اور انہوں نے شجاعت و دلاوری کی ناقابل یقین داستانیں بھی رقم کیں، مگر پرویزی عہد میں انکل سام کے احکامات کی بجا آوری میں مجاہد کو دہشت گرد اور جہاد کو دہشت گردی سے تعبیر کر کے گوانتا نامو بے کے جزیرے بے دست و پا مجاہدین سے آباد کیے گئے۔ نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ اسلام مظلوم و مقہور ہو کر رہ گیا۔ اسلام کا نام لینا ہی جرم ٹھہرا ہے۔ ضیاء الحق کا دور بعض حوالوں سے کتنا ہی قابل اعتراض کیوں نہ ہو، مگر لمحہ موجود میں اقتدار پر مسلّط ناعاقبت اندیش کارندوں کی خرمستیوں کو دیکھتے ہوئے ضیاء الحق کے عہدِ حکومت کے کئی روشن دینی و سیاسی کارنامے ازخود تاریخ کے دامن پر جگمگاتے ہوئے دکھائی دینے لگتے ہیں اور دل بزبان شاعر پکار اٹھتا ہے کہ ؎

راہِ وفا میں کوئی بھی آیا نہ تیرے بعد
اک خاک اڑ رہی تھی، جہاں بھی نظر گئی

☆☆☆

قارئین توجہ فرمائیں

قارئین کی طرف سے اکثر یہ شکایت موصول ہوتی ہے کہ ہمیں سالانہ چندہ ختم ہونے کی کوئی اطلاع نہیں ملی اور رسالہ بند کر دیا گیا ہے۔ اس شکایت کے ازالے اور قارئین کی سہولت کے لیے لفافے پر پتا کے اوپر مدت خریداری درج کر دی گئی ہے۔ قارئین سے التماس ہے کہ درج شدہ مدت کے مطابق اپنا سالانہ چندہ ارسال کر کے اگلے سال کی تجدید کرا لیں۔ جن قارئین کا سالانہ زرِتعاون جولائی ۲۰۰۷ء اگست، اور ستمبر ۲۰۰۷ء میں ختم ہو رہا ہے۔ براہِ کرم اسی ماہ میں ہی اپنا سالانہ زرِ تعاون ۱۵۰ روپے ارسال فرمادیں۔ (سرکولیشن منیجر)

ڈاکٹر عامر لیاقت حسین

گوانتانا موبے میں قید ''آزاد شاعری''

انسانی چیخوں سے گونجتے ہوئے پر ہول ماحول میں سسک سسک کر جینے پر مجبور، گوانتانا موبے میں قید اپنے پیاروں سے کوسوں دور......درد کے جھروکوں سے جھانکتے اور انتظار کی خستہ چادر میں امید کا پیوند ٹانکتے ہوئے ''چند قیدی''......اب اپنے کرب کا اظہار اُن کاغذی برتنوں پر ''اشعار'' لکھ رہے ہیں جن کے بارے میں انھیں یہ گمان ہے کہ شاید بے رحموں کی صفوں میں کوئی ''کم بے رحم'' ان کے جذبات ان کے گھر والوں یا اپنوں تک پہنچا دے گا......اس بے ربط شاعری کو حالات نے ربط دے دیا ہے......گو کہ مصرعے وزن سے خالی ہیں مگر اخلاقیات کے وزن سے فخریہ دہرے ہونے والے ان بے وزن مصرعوں کا بوجھ اٹھانے سے قاصر ہیں......ایک امریکی صحافی لیونارڈ ڈوئل (Leonard Doyle) کے توسط سے میڈیا تک پہنچنے والے یہ اشعار، شاعری کی صنف میں تو ''آزاد شاعری'' کہلاتے ہیں مگر ''کہنے والے سب ہی قید ہیں''......گویا صیاد ایک بار پھر خیالات، احساسات، جذبات اور نظریات کو مقید کرنے میں ناکام رہا......عالم اسلام سے تعلق رکھنے والے وہ خانماں برباد اور حرماں نصیب قیدی......جو طالع آزماؤں کی سازش کا شکار بن کر گوانتانا موبے جیسے جہنم میں صرف ماضی کو یاد کرتے رہتے ہیں اور ایک کے بعد دوسری کال کوٹھڑی جن کا مسکن ہے یا یوں کہہ لیجیے کہ مایوسی اور تاریکی جن کا مقدر ہے......ان کے جذبات جو کاغذی برتنوں پر مرقوم ہو کر پہرے داروں کے ہاتھ لگے......وہ انھیں خفیہ پیغامات کی ترسیل کا ذریعہ یا Code Words سمجھ بیٹھے اور اُن برتنوں کو اپنے تئیں تلف کر ڈالا مگر چند تحریریں کسی طرح اپنا وجود برقرار رکھنے میں کامیاب ہو ہی گئیں......ایسی ہی بے ربط و منتشر تحریروں کو جن پر شاعری کا گمان ہوتا ہے۔ یونیورسٹی آف لووا پریس University of Lowa Press نے ایک کتابی شکل میں شائع کر دیا ہے۔ ۸۴ صفحات پر مشتمل غلام شاعروں کی آزاد شاعری کا یہ مجموعۂ کلام انجام سے باخبر قیدیوں کا ایک پر وقار احتجاج ہے جس میں رعایتوں اور سہولتوں کی بھیک مانگی جا رہی ہے اور نہ کیے پر پشیمانی کا اظہار ہے......اس مجموعۂ کلام کو شعبۂ قانون سے تعلق رکھنے والے ایک امریکی پروفیسر مارک فیلکوف نے گوانتانا موبے میں اسیر قیدیوں ہی کے نام موسوم کیا ہے اور نام رکھا ہے ''خاردار تاروں میں قید میرے احباب''......امریکی محکمہ دفاع کی نظر میں تو یہ شاعری بھی خطرناک ہے کیوں کہ اس سے بیرونی دنیا کے لوگوں پر منفی اثر پڑے گا اور امریکی مفادات کے متاثر ہونے کا اندیشہ پیدا ہو جائے گا......

اس شاعری کی اشاعت پر چند لوگوں نے پروفیسر فیلکوف کو طنز و استہزاء کا نشانہ بنایا، اُسے ڈرایا اور اس اقدام کے بھیانک نتائج سے بھی آگاہ کیا۔ یہ سب باتیں اس نے مجموعۂ کلام کے دیباچے میں تحریر کی ہیں......وہ لکھتا ہے کہ ''اگر قیدی یہ الفاظ تحریر کرتے ہیں جیسے کہ عقاب علی الصباح پرواز کرتا ہے تو محکمہ دفاع کی نظر میں یہ لائق تعزیر جملہ ہے کیوں کہ اس سے بغاوت کی بو اور مستقبل میں کسی سازش کی منصوبہ بندی نظر آتی ہے مگر یہ لوگوں کے ضمیر کی آواز اور اُن کی دلی کیفیات کی عکاسی ہے، آزادئ اظہار انسانوں کا بنیادی حق ہے اور جلد یا بدیر سب ہی آزادی کا سورج ضرور دیکھیں گے'' ان نظموں کے

تخلیق کاروں میں وہ پاکستانی قیدی بھی ہیں جنھیں چند ہزار ڈالرز کے عوض امریکہ کو اس لیے فروخت کیا گیا کیوں کہ وہ چاہتا تھا کہ ہر مسلم ملک کی نمائندگی اس قید خانے میں ہو اور اس کے لیے وہ کچھ بھی کرنے کو تیار تھا...... ”قیدی رنگے ہاتھوں مل جائیں تو اچھا ہے ورنہ خرید کر الزام میں رنگ دو۔ انصاف کا یہی تقاضا ہے کہ ہر رنگ و نسل کے مسلمانوں کی چیخوں سے گوانتاناموبے کے سکوت کو توڑا جائے“......ایسی ہی کئی الم ناک داستانیں گوانتاناموبے کے درودیوار میں پیوست ہیں کہ جن کی آہیں سن کر ہی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں......ان نظموں میں موسم بہار کے پھولوں سے محرومی کا ذکر ہے...... ہتھکڑیوں کو کنگن اور گجروں سے تشبیہ دی گئی ہے۔ غرض یہ کہ عجیب وغریب خیالات واستعارات کا اِن قیدیوں نے اپنی شاعری میں اظہار کیا ہے......الجزیرہ ٹی وی سے تعلق رکھنے والے سمیع الحاج نامی صحافی جس نے افغانستان کی جنگ کے دوران اپنی پیشہ وارانہ ذمے داریاں سرانجام دیں، اُسے بھی ۲۰۰۱ء میں امریکی حکام نے گرفتار کر کے پہلے تو قندھار میں بلگرام کے ہوائی اڈے میں تشدد کا نشانہ بنایا گیا اور پھر اسے گوانتاناموبے منتقل کر دیا گیا...... آیئے! آج اُسی کی نظم پڑھتے ہیں:

جب میں درختوں پر کوئل کی کوک سنتا ہوں
تو آنسو آبشار کی طرح میرے رخسار پر بہنے لگتے ہیں
جب میں ننھے پرندوں کو چہچہاتے دیکھتا ہوں
تو میری گریہ وزاری میں مزید شدت آجاتی ہے
اے میرے بیٹے محمد! میں مخاطب ہوں تجھ سے
کہ تیرا مظلوم بابا رنج والم میں ڈوب چکا ہے
ٹوٹ چکا ہے
اور اللہ کے سوا اس کا کوئی پرسانِ حال نہیں
غاصب تیرے بابا کی روح کے تاروں کو یوں چھیڑتے ہیں
گویا وہ کوئی ساز ہے
وہ مجھے ہر طرح کا لالچ دیتے ہیں
مگر زر وزمین تو کبھی میری خواہش نہ تھی
میری خواہش تو بس ایک ہی ہے
کہ میں ظلم کے یہ بندھن توڑ کے سارے
اپنے وطن کی آزاد فضا میں سانس لے سکوں
وہ مجھے کیا کیا ترغیب نہیں دیتے
اور میں پابند سلاسل، اپنے ہی ضمیر کا قیدی
یہ جان چکا ہوں
کہ ان کے سارے دعوے کھوکھلے ہیں

ان کے منہ سے منافقت کی بو آتی ہے
گو کہ وہ آزادی کی یادگار بنائے بیٹھے ہیں
اور پھر بھی نہیں جانتے کہ اظہارِ آزادی
مجسمۂ آزادی سے بہتر ہے
مگر یہ تلخ حقیقت ان گونگے بہروں کو کون بتائے
کہ صرف مجسمۂ آزادی بنا دینا انصاف نہیں
اے امریکہ!
تو ہماری زخمی شہ رگ پر کب تک سوار رہے گا؟
اور کب تک ہمیں ڈراتا دھمکاتا رہے گا؟
اے بش! یاد رکھ!
اللہ تک میری آہ و بکا پہنچ رہی ہے
مجھے یقین ہے کہ حق قریں ہے
ہاں! میں بے خانماں و برباد قیدی ہوں
دشمنوں کے قہر و غضب کا شکار پردیسی ہوں
اے میرے بیٹے محمد! میں تیرا بھی مجرم ہوں
لیکن میرے بیٹے مجھے معاف کر دینا
اور اپنے باپ کے لیے استقامت کی دعا کرنا
میں بیڑیوں میں پابجولاں عبرت کا مرقع ہوں
اور شعر کیسے لکھوں کہ میری نغمگی چھن گئی ہے
اب تو میرے پاس اندھیری راتوں
اور بہتے اشکوں کے سوا کچھ نہیں ہے
میں شعر لکھ بھی کیسے سکتا ہوں
کہ میری روح میں تلاطم برپا ہے
موت کے مہیب سائے میرے سر پر منڈلا رہے ہیں
میرے مالک! میرے بچے محمد کو ٹوٹنے نہ دینا!
میرے مالک!
حق کو فتح مند کرنا!

(مطبوعہ: روزنامہ ''جنگ'' ۱۴ر ستمبر ۲۰۰۷ء)

ڈاکٹر میاں احسان باری

استقبال اور استقبالیے

پاکستان جیسے نظریاتی ملک میں ایک کریہہ وقبیح روایت عرصہ سے چل نکلی ہے کہ برسراقتدار ٹولہ اوراپوزیشن سمیت شوپیس نما سیاستدان ہرصورت اپنا استقبال چاہتے ہیں۔لوگوں سے اپنے نام کوزندہ باد سن کرغرور سے مزید اکڑے جاتے ہیں۔وہ مقتدر بن جائیں تب بھی اور اقتدار سے محروم کر ڈالے جائیں پھر بھی استقبال کروا کرہی راضی ہوتے ہیں۔ اس کریہہ عمل سے عوام اور سیاسی کارکنوں کو جو تکالیف اٹھانی پڑتی ہیں ان کا کسی بھی صورت مداوانہیں کیا جاسکتا۔عوام اب تک دونوں بڑی پارٹیوں کے سربراہوں کا کہ جب وہ دونوں بہ یک وقت اقتدار میں تھیں۔استقبال کروانے اور بھونڈے طریقے سے افراد کو لاہور مینار پاکستان پر اکٹھے کرنے کا مقابلہ اب تک نہیں بھولے۔کوئی بس ویگن ملک بھر میں عام آدمی کیلئے دستیاب نہ تھی۔شادیاں تک ملتوی کرنا پڑیں۔اگرکوئی بارات راستہ میں کسی چک کی سائیڈ روڈ سے پکی سڑک پر آ گئی تو وہ بھی چھین لی گئی اوران کی گاڑی بھی قبضہ بہ سرکار ٹھہری۔ باراتیں چھتیس چھتیس گھنٹے کی تاخیر سے منزل مقصود تک پہنچیں۔یہاں تک کہ شادی شدہ جوڑے سہاگ کی پہلی رات کی اصل ملاقات سے بھی محروم رہ گئے۔اگر کوئی مریض کہیں کسی ایمبولینس میں جارہا تھا تو وہ ٹریفک کے تعطل کی بنیاد پرتڑپ تڑپ کرمرگیا۔کہ ملک کے کارپرداز رہنماؤں کا استقبالیہ اور جلسہ جلوس منعقد ہورہا تھا۔بچے سکول گئے تو دیر رات تک واپس گھر نہ پہنچے۔والدین کی پریشانی کا کیا عالم ہوگا۔کئی لوگ ان افراتفری سے بھری گئی بسوں،ویگنوں اورٹرکوں کے اوپر چڑھے نام نہاد لیڈروں کے نعرے لگاتے ہوئے تاروں سے الجھ کر فوت ہوئے اور بھری بس کا وہ واقعہ تو یاد ہی ہوگا کہ اوپر بیٹھے کئی افراد لاہور میں زیرزمین بنائے گئے راستوں کی کم بلندی ہونے کی وجہ سے چھتوں سے ٹکرا ٹکرا کر ہلاک ہوئے۔کہ وہ اوپر چڑھے نعرے زن تھے۔اوراپنے راہنماؤں کی سربلندی کیلئے گیت گارہے تھے۔مگر لیڈران پر اس کا ذرا برابر بھی اثر نہ ہوا اور یہ غلیظ سلسلہ آج بھی جاری وساری ہے۔ابھی لندن سے آئے ہوئے ایک لیڈر کے استقبال کیلئے بھی جس طرح دور دراز سے لوگ ڈھوڈھو کرلائے گئے وہ کسی سے چھپا ہوانہیں ہے کروڑوں روپے کے بینرز لگائے اور وال چاکنگ کی گئی اور جو اس سارے عمل پر کروڑوں روپے خرچ ہوئے وہ کیا اس جان لیوامہنگائی کے دور میں کہ جب لوگ نان جویں کو ترس رہے ہیں اور دال روٹی تک کی ایک ہنڈیا پکانا مشکل ہورہا ہے اور یقین کیجئے کہ دیہاتوں میں ہی نہیں بلکہ شہروں کی بھی آبادی کا تیسرا حصہ کئی کئی روز چھوٹے موٹے سالن کو بھی ترستا رہتا ہے۔یہ انتہائی فضول خرچی نہیں تو اور کیا ہے؟

یہ عمل کس قدر اسلامی ہوگا یا غیراسلامی یہ جید علماء ہی بتاسکتے ہیں۔اسلام جس کے سبھی سیاستدان علمبردار بنتے ہیں وہ جانتے ہوں گے کہ ان کا یہ فعل سراسر غیراسلامی ہے یا نہیں؟۔دوسری طرف چھوٹے اضلاع میں کئی ایسی عمارات کے افتتاح ہوئے جن کی پرائمری سکول وغیرہ کی دیوار پر ۶۰ ہزارروپے یا کم وبیش خرچہ ہوا تھا۔مگر استقبالیہ افتتاحی تقریب پر کسی وزیر بے تدبیرو بے ضمیر کے دورہ پر ایک لاکھ ساٹھ ہزار تک کا خرچہ آگیا۔شرم انہیں پھر بھی نہیں آتی۔یہ ترقی پذیر غریب ملک

کے مقتدر افراد کے اللے تللے قوم کیونکر اور کب تک برداشت کرے؟ بیرونی ممالک خصوصاً لادین یہودی نواز ممالک سے قرضہ لیکر اپنی پگ اونچی دکھانے کے لئے ایسے فنکشن کرنا کیا انہیں زیب دیتا ہے نہیں ہرگز نہیں۔ یہی رقوم کہیں غریب پسے ہوئے طبقات کی دال روٹی پر خرچ کی جاتیں تو کئی خاندانوں کا بھلا ہو جاتا۔ مگر ایسا کیونکر ممکن ہوتا یہاں تو آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا ہے۔ کہ ایسا سیاستدان کیوں نہ کریں اس میں کونسی ان کے باپ دادا کی کمائی خرچ ہوتی ہے۔ مقتدر ڈکٹیٹر فوجی ہو یا سویلین اسے سرکاری خزانہ لٹانے سے کون روک سکتا ہے اور اپوزیشن افراد نے بھی اقتدار میں آکر ناجائز کمائیاں بصورت قرضے پلاٹ الاٹمنٹ نوکریاں کرلینی ہوتی ہیں اس لئے انہیں بے دریغ خرچہ کرتے ہوئے کوئی پرواہ ہی نہیں ہوتی۔ جونہی ان کا کسی حکومتی ادارہ میں پیر پھنسا وہ کئی گنا سود در سود کی صورت میں کما ڈالیں گے۔ اس لئے وہ شرم کیوں محسوس کریں اقتدار میں آکر دونوں ہاتھوں اور دونوں پیروں سے لوٹنا ان کا شیوہ ہوگا۔ اگر قوم اتفاق کرے تو لیڈر خواہ وہ ملک کے اندر ہو یا باہر اس کا استقبال چہ معنی دارد؟ وہ آج تک کوئی کارنامہ تو کر نہیں سکے کہ اسے کوئی تحفہ دیا جانا چاہیے۔ یا وہ کوئی کارنامہ کر کے آ رہے ہوں سبھی لوگ کسی نہ کسی طرح اقتدار کی لونڈی کو اپنا غلام بنانے کیلئے ہی تگ و دو کر رہے ہوتے ہیں۔ آج نعروں والے دن تو لد گئے جب غریبوں کے حق میں نعرے گونجا کرتے تھے کہ مانگ رہا ہے ہر انسان روٹی، کپڑا اور مکان اب تو صورتحال یہاں تک آن پہنچی ہے کہ کسان، مزدور کے مطالبات تو کبھی کسی سیاسی جماعت نے اٹھائے ہی نہیں اور میں حلفاً کہہ سکتا ہوں کہ مزدوروں کی تنظیمیں تو کہیں کہیں خانہ پری کیلئے سیاسی جماعتوں نے بنا رکھی ہے۔ مگر کسانوں کی تنظیموں کا کہیں وجود تک نہ ہے۔ جبکہ کسان اس زرعی ملک کا ۸۵ فیصد آبادی ہے۔ جنہیں دن رات اپنے ہی کام کاج سے فرصت نہ ہے اسی لئے کسان سخت مفلوک الحال زندگی گزار رہا ہے۔ عام آدمی ماضی کی طرح نہ اب جیالا رہا ہے نہ جمالا نہ اسلام پسندہ۔ سیاستدانوں کی متعدد اُلٹ پلٹ کلابازیوں کی وجہ سے پارٹیوں کے چند کارکن ہیں جو مستقبل کی کسی آس پر ساتھ بھاگے پھر رہے ہیں۔ عام آدمی ان لیڈر نما، خود ستائی کے پرستار سیاستدانوں کی اوچھی حرکتوں سے اس قدر تنگ ہو چکا ہے کہ وہ ذاتی محفلوں میں ان پر تبرے برساتا رہتا ہے اور ایسی ایسی فحش کلامی کرتا ہے کہ الامان والحفیظ اور پھر بھی ان کو پڑی ہوئی ہے اپنے استقبال و استقبالئے کروانے کی۔ اس خام خواہ کی غلیظ رسم و ریت کو اب ختم ہو جانا چاہیے۔ کہ جب الیکشن ہوگا تو تمام کی پاپولیریٹی سامنے آجائے گی۔ روزانہ روزانہ کارکنوں کو تنگ نہیں کرنا چاہیے اور جب عام آدمی اس عمل سے گزرتا ہے تو لِتر پریڈ، آنسو گیس اور تھانے میں چھترول ہو کر رہتی ہے۔ کارکنوں کو لیڈروں کو زندہ باد کہنے کے جرم میں کئی بار عرصہ ۶۰ سال سے یہ زخم لگے ہیں۔ مگر گلا سڑا نظام تبدیل کرنے والا کوئی اللہ کا بندہ آج تک سامنے نہ آسکا ہے۔ کہ فوج، بیوروکریسی اور جاگیردار ٹکون ہی جدھر سے دیکھیں جب دیکھیں اقتدار پر جھپٹ کر قبضہ کر لیتی ہے۔ غریب عوام منہ دیکھتے رہ جاتے ہیں اور پھر منتخب لٹیرا، وڈیرا مزید مال بنانے میں لگ جاتا ہے اور عوام کے قابو نہیں آتا۔ اب قانون نام کی کوئی شے تو رہ ہی نہیں گئی۔ سپریم کورٹ وہائی کورٹوں تک غنڈوں کی دمہ چوکڑی سے نہیں بچ سکے۔ عوام فیصلہ کرے کہ کیا اب خونی انقلاب ہی آکر اس سارے گلے سڑے نظام اور اس کے علمبرداروں کو تحس نہس کرے گا۔ تاکہ ان کی نعشوں کو دفنانے کیلئے نہ ہی بندے مل سکیں اور نہ ہی پاک سرزمین پر کوئی جگہ۔ ''سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائے گا۔ جب لاد چلے گا بنجارا۔''

سید یونس الحسنی

جانشین امیر شریعت سید ابوذر بخاری رحمہ اللہ

میانہ قد وقامت، گلاب چہرہ......سفید شلوار قمیض میں ملبوس، حسنِ فطرت کا پیکر، حکمت وتدبر اس کا اوڑھنا بچھونا ......بڑوں میں بڑا عالم......نہایت ممتاز ومنفرد......چھوٹوں میں چھوٹا، ملائم ومعصوم......بہت ہی سچی بات ہے۔ وہ خلوتوں میں حقیقتوں کو تلاشتا تو جلوتوں میں فلاحِ امت تراشتا، صحن چمن میں نور کا ہالہ اور عرفان وآگہی کا ہمالہ......حُبِّ اصحابِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے مستنیر یعنی موجۂ عشقِ رسالت کا نخچیر......وہ بزمِ اہل دل کی شمع حبیب اور متلاشیانِ حق کے لیے کامل طبیب......اس مجموعۂ صفات کا نامِ نامی حافظ سید عطاء المنعم رحمۃ اللہ علیہ ہے (وہ سید ابومعاویہ ابوذر بخاری کے نام سے معروف تھے)......برصغیر پاک وہند کے جیّد عالم دین، شعلہ نوا خطیب اور جدوجہد آزادی کے جری رہنما امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے فرزند اکبر اور جانشین......خیر العلماء مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردِ رشید اور مدرسہ خیر المدارس سے زیور علم وحکم سے سرفراز ہونے والی ہمہ جہت شخصیت دیکھ کر زبان سے بے ساختہ نکلے:

''ایسی چنگاری بھی یارب اپنی خاکستر میں تھی''

وہ صرف متبحر عالم دین ہی نہ تھے بلکہ دنیا بھر کی سائنسی معلومات، ثقافتی اصطلاحات، تاریخی حالات وواقعات، جغرافیائی کیفیات وتفصیلات اور عمرانی تشریحات وتصریحات پر ان کی گہری نظر تھی......قدرت نے بلا کا حافظہ ودیعت کر رکھا تھا......کسی موضوع گفتگو پر حوالہ جات بڑی برجستگی سے پیش کرتے یہاں تک کہ کتاب، رسالہ یا اخبار کی تاریخ اشاعت، صفحہ اور سطر تک بتا دیتے تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ کوئی متنفس نہیں۔ تُرت پھرت کتب خانہ ہے۔ اسلامی تاریخ کے گہرے پانیوں کی غواصی ان کا محبوب مشغلہ تھا تو تحقیق وجستجو کے نام پر تلبیسات کا انبار لگا کر لوگوں کو گمراہ کرنے والوں کا تعاقب ان کا نصب العین......جو شخص ملک سے کبھی باہر نہ گیا ہو اور وہ آپ کو گھر بیٹھے نو صدیاں پہلے اور آج کے ہسپانیہ کی سیر کرادے۔ دنیا کے مختلف ممالک میں ہر دور میں وقوع پذیر ہونے والی تبدیلیوں مشہور عمارات اور نامشہور مقامات میں نت نئے حک واضافہ سے آگاہ کردے......جن کی ہمہ نوعی معلومات کا دریائے موّاج ناپیدا کنار ہو اسے کس نام سے یاد کیا جاسکتا ہے......ظاہر ہے سید ابوذر بخاری ہی کہیں گے کہ ان سا کوئی اور دیکھنے کو نہیں ملا......تقریر کرے تو فصاحت وبلاغت کے دریا بہادے۔ مجھے صحیح یاد نہیں۔ لاہور کا موچی دروازہ تھا یا ملتان کا قاسم باغ......سیرت طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بہت بڑا جلسہ تھا......ہر مکتبِ فکر کے علماء اور ہر طبقہ ومشرب کے زعماء موجود تھے......سید ابوذر بخاریؒ تقریر کر رہے تھے۔

''عزیزانِ چمن! کامیاب وہ ہے جس نے اپنا مشن نہیں چھوڑا، جو حق کے لیے جان دے دے مگر غداروں، جفاکاروں سے روشناسی کے لیے قوم کو بروقت بیدار کردے، جو نونہالانِ وطن کو حقیقت کی راہ سجھائے اور قومی معاشرہ کو تباہی سے بچانے کے لیے اپنے خون کا آخری قطرہ تک نچوڑ دے۔ جو تاجدارِ ختم نبوت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت، آخری بین الاقوامی اور بین الآفاقی قانون کے

ساتھ مرتے دم تک غیر مشروط وابستگی رکھے۔

وہ کامیاب نہیں جو قوم کا خون بہادے، عزتیں لٹوادے، اموال تباہ کردے، جو اسلام کا نام لے کر جمہوریت، اشتراکیت، مارکس ازم اور فاشزم، یہودیت وسبائیت اور مرزائیت کے لیے چور دروازے کھولے اور اسلامی آئین میں تحریف ومنافقت کی نقب لگائے۔ ایسا شخص کائنات کا، مسلمانوں کا، اسلام کا اور اس ملک کا بدترین دشمن ہے۔‘‘

ان جملوں پر بعض لوگ تلملا رہے تھے۔ ظاہراً کئی بڑی اور باطناً بہت چھوٹی جبینیں شکن آلود ہو رہی تھیں اور لبرل ازم کے دلدادگان پریشان حال تھے۔ مگر شاہ جی قدیم وجدید تقاضوں کے باوصف اسلام کی ابدی اور انمٹ سچائیوں کے ساتھ اپنی بے پناہ لگن کا برملا اظہار کر رہے تھے۔ لوگ انگشت بدنداں تھے کہ مولانا بھی ایسی گفتگو کر سکتے ہیں۔ انھیں کیا خبر...... یہ کوئی پروفیشنل مولوی یا پیر تو تھے نہیں کہ مالکونس اور بھیرویں میں الاپتے اور مسحور کن کیفیت پیدا کرتے...... وہ تو فرزندِ بطلِ حریت تھے جن کے اخلاص کی برکت اور رب العزت کی بے پایاں رحمت وعنایات کا اعجاز تھا کہ لوگ ورطۂ حیرت میں گم سم بیٹھے تھے۔ یہ سید السادات بول رہے تھے اور سامعین ہمہ تن گوش۔

آیئے ان کی شاعری کا رخ کرتے ہیں۔ آج لوگ اپنے ناپسندیدہ افراد یا حکومتوں کے خلاف لکھتے اور شعر کہتے ہیں تو اسے مزاحمتی ادب کا نام دے دیتے ہیں۔ حالاں کہ یہ سراسر غلط ہے۔ مزاحمتی ادب تو وہ ہے جس کے ذریعے کسی قوم، معاشرے، حکومت، شخصیت یا سیاسی جماعت کے غلط افکار ونظریات کا بطلان کیا جائے، عوام الناس کو ان سے بچنے کی راہ دکھائی جائے، یا کسی ملمع ساز کے منافقانہ روپ کا سرعام پوسٹ مارٹم کیا جائے تا کہ لوگ سچ اور جھوٹ، غلط اور صحیح کی پہچان کر سکیں۔ سید صاحب نے ہر ہر صنف میں طبع آزمائی کی مگر مزاحمت کا انداز قابلِ غور ہے:

میں اگر زیغِ تفکر کا گلہ کرتا ہوں　　تم دلیلوں کے غبارے میں مجھے لا دیتے ہو
میرے معتوب سے ماحول کو مذہب کے عوض　　کتنی تلبیس سے پیمانِ وفا دیتے ہو
میں اگر حکمت و الہام کا دیتا ہوں سبق　　تم اسے جہل کے پردوں میں چھپا دیتے ہو
الغرض دیں ہو، سیاست ہو، معیشت یا معاد　　ساری دولت کو شکم پر ہی لٹا دیتے ہو
میں تو پھر ایک مؤثر پہ ہی رکھتا ہوں یقیں　　تم فقط مادہ کو معبود بنا دیتے ہو
تم مساوات و اخوت کا امیں بن کر بھی　　بغض و تفریق کا اک جال بچھا دیتے ہو

بات طویل ہو جائے گی۔ سید ابوذر بخاری رحمہ اللہ اپنے علم وعمل، فکر ودانش، تقویٰ وتدیّن اور اپنی صلاحیتوں کے باوصف اپنے ہم عصروں میں سب سے منفرد اور ممتاز تھے۔ ۲۴ راکتوبر ۱۹۹۵ء کو وہ ہم سے جدا ہو کر عقبیٰ کے سفر کو روانہ ہوئے۔ آج بارہ برس ہونے کو ہیں۔ دل سے ہوک سی اٹھتی ہے۔

کاش مرے جیون کے بدلے لوٹ سکیں وہ لوگ

پروفیسر خالد شبیر احمد

آغا شورش کاشمیری رحمتہ اللہ علیہ

شورش کاشمیریؒ کا نام لب پہ آتے ہی غیرت، حمیت، بہادری، ایثار، قربانی، شجاعت، عزم، استقلال، جوش، ولولہ، طنطنہ، ہمہمہ، دبدبہ جیسے تمام الفاظ کی ایک لغت دل و دماغ پر رقص کرنا شروع کر دیتی ہے۔ فضا میں ایک خاص قسم کا ارتعاش سا محسوس ہوتا ہے اور دل سے آواز آتی ہے کہ شورش کی بہادری عظمتِ احرار کے ماتھے کا جھومر ہے۔ جس کی چمک دمک آنے والی نسلوں کے لیے نہ صرف مشعل راہ ہوگی بلکہ باعثِ عزت و شرف بھی۔ شورش کاشمیریؒ ظلم و ستم کی ہر ایک ریت سے ٹکرا گیا اس لیے کہ اسے حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت سے بے پناہ لگاؤ تھا۔ اسی لیے وہ ختم نبوت کے محاذ پر عمر بھر لڑتا رہا اور دادِ شجاعت حاصل کرتا ہوا جانبِ منزل بڑھتا ہی رہا۔ بالآخر اُس مردِ حق پرست نے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دلوا کر ہی دم لیا۔ شورش کاشمیریؒ امیر شریعتؒ کی تحریک ختم نبوت کا وہ نڈر رہنما ہے جو عمر بھر راہِ صداقت پر چلتا رہا اور اس راہ میں آنے والی صعوبتوں کو خندہ پیشانی سے برداشت کر کے اہل اسلام کے دل و دماغ میں اپنا مقام پیدا کر گیا۔ اُس نے مشکلات کے باوجود بڑے حوصلے، بڑے صبر اور بڑے سکون و اطمینان کے ساتھ زندگی بسر کی' اُس کے بارے میں کہا جا سکتا ہے:

چن لی تھی میں نے آپ کٹھن مرحلوں کی راہ
کاٹی ہے قیدِ زیست بڑے حوصلوں کے ساتھ

یہ ایک حقیقت ہے جس سے کوئی ذی شعور انکار نہیں کر سکتا کہ شورش کاشمیریؒ نے آغوشِ احرار میں تربیت حاصل کر کے تحریکِ استخلاصِ وطن میں ایک نمایاں مقام حاصل کیا۔ شورش نے بڑی تمکنت اور وقار کے ساتھ استبدادِ افرنگ کو اپنے پاؤں تلے روندا۔ شورش کاشمیریؒ کی جرأت و بے باکی اور اُس کے عزم و استقلال، قربانی و ایثار کی داستانیں تاریخ حریت پاک و ہند کا ایک سنگین و دلخراش باب بھی ہیں کہ جن کی سنگینوں کے آگے پتھروں کے دل بھی چھوٹ جاتے ہیں۔ شورش کاشمیریؒ نے اپنے خونِ قلب و جگر سے آزادی کی شفق میں سرخیاں بھریں۔ شورش نے اپنی پوری جوانی قیدِ تنہائی کی نذر کر دی۔ شورش کاشمیریؒ نے امیر شریعتؒ اور مجلس احرار اسلام کی قیادت میں لاکھوں انسانوں کو درسِ حریت دیا۔ شورش کاشمیریؒ مطلعِ احرار سے آندھی بن کر اٹھا، بادل بن کے گرجا اور قصرِ باطل پر بجلی بن کے لپکا۔ شورش کے جذبۂ جواں کی یلغار سے فرنگی استعمار پر لرزہ طاری ہو جاتا تھا۔ جس کی تقریر میں آبشار کا بہاؤ تو تحریر میں تلوار کا گھاؤ تھا۔ جس کے اسلوب میں جدت تو خیالات میں وسعت، جس کی زبان میں حلاوت تو بیان میں سلاست تھی۔ غرض یہ کہ اُسے قدرتِ

کاملہ نے بے پناہ، خوبیوں سے نوازا تھا اور اُس نے ان خوبیوں اور صلاحیتوں کو راہِ آزادی پر بے دریغ نچھاور کر دیا۔

آج زمانہ شورش کی قربانیوں اور خوبیوں پر ناز کرتا ہے۔ ان کی عظمت ہمارے دل و دماغ پر اس طرح چمک رہی ہے جس طرح شب کی تاریکیوں میں آسمان کی وسعتوں پر کوئی روشن ستارہ جگمگ کرتا دلوں کو گرماتا اور آنکھوں کو لبھاتا ہے اور یہ بات ہم تک ہی محدود نہیں ہے۔ آئندہ آنے والی نسلیں بھی شورش کاشمیری کے کارناموں پر نازاں و شاداں ہوں گی اور آسمانِ حریت پر شورش کی عظمت وسطوت کا چاند ہمیشہ ہمیشہ کے لیے یونہی چمکتا دمکتا رہے گا۔

تقسیم ملک کے بعد اگر چہ شورش کاشمیری نے سیاسی زندگی کو خیر باد کہہ کر صحافتی زندگی کو اختیار کر لیا تھا۔ تاہم میدانِ صحافت میں بھی شورش کے کارنامے میدانِ سیاست سے کسی طور کم نہیں۔ میدانِ صحافت میں بھی شورش کاشمیریؒ نے اپنا رنگ جمایا۔ ایک انوکھا انداز اختیار کیا کہ اب صحافت تا قیامت اُس انداز کو ترستی رہے گی لیکن اُسے پا نہ سکے گی۔ شورش نے مولانا ابوالکلام آزاد کے ''الہلال'' و ''البلاغ''، مولانا محمد علی جوہر کے اخبار ''ہمدرد'' و ''کامریڈ''، مولانا حسرت موہانی کے ''اردوئے معلیٰ'' اور مولانا ظفر علی خان نے اخبار ''زمیندار'' کے سب رنگ ایک نئی ترنگ میں شامل کر لیے تھے۔ جس ترنگ کا نام ہفت روزہ ''چٹان'' ہے۔ شورش نے اپنے قلم سے لوگوں کے اذہان میں وہ تازگی، دلوں میں وہ جذبہ، افکار میں وہ بصیرت پیدا کر دی جو زندہ قوم کے لیے ضروری اور لازمی ہوتی ہے۔ شورش کے قلم سے وہ شرارے نکلے جنھوں نے سیاسی دھاندلی، مذہبی بے غیرتی، وزارتی کاسہ لیسی، صدارتی زلّہ خواری و چاپلوسی کے خرمنِ پُر خار کو جلا کر خاکستر کر دیا۔ شورش کا قلم مجاہد کی تلوار بن گیا۔ جس کے اردگرد بے دین سیاست، بے مہر قیادت، بے جان صحافت کے کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ یہ بات بڑے وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ شورش کے قلم سے جس قدر عظمتِ اصول، دیانتِ صحافت، شرافتِ انساں، تحفظِ دین، احساسِ ذمہ داری اور جذبۂ حب الوطنی پر لکھا گیا ہے پورے ملک کے اندر کوئی دوسرا ادیب یا صحافی اس میدان میں شورش کے سامنے نہیں لایا جاسکتا ؎

یوں تو ادیب آئیں گے لاکھوں جہان میں
شورش سا پیدا ہو گا کہ اب کوئی نام ور

جس انسان کے پیشِ نظر امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی زندگی ہو علامہ اقبال اور مفکرِ احرار چودھری افضل حق کا فکر، مولانا محمد علی جوہر، مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا ظفر علی خان کا معیارِ صحافت اُس کے قلم سے اگر قصرِ وزارت وصدارت میں زلزلہ برپا ہو جائے تو کوئی تعجب اور حیرانی کی بات نہیں۔ جس کے ہاتھ فرنگی استبداد و اقتدار کے گریبان تک پہنچے ہوں۔ اُس کے قلم سے کسی بڑے سیاسی مداری یا پھر مذہبی لٹیرے کی قبا تار تار ہو جائے تو کوئی انہونی بات نہیں۔ شورش نے جس بات کو حق سمجھا، کہا اور اس حق گوئی کے جرم ناحق میں جب بھی شورش پر کوئی افتادِ ناگہانی آن پڑی۔ اُس خندہ پیشانی سے اُس کا استقبال کیا۔ طوفانِ حوادث کے جھونکے اپنی شدت کے باوجود شورش کے پائے ثبات میں

لغزش پیدا نہ کر سکے۔ ایڈیٹر ''چٹان'' چٹان کی طرح اپنے مؤقف کی صداقت پر ڈٹا رہا۔ چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ شاہوں کے گریبان سے کھیلنے والا مردِ مجاہد میدانِ صحافت میں بھی اپنا ایک بلند اور منفرد مقام رکھتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ آج قوم کا ہر مرد وزن اپنے دل و دماغ کی گہرائیوں سے ہفت روزہ ''چٹان'' کی خدماتِ جلیلہ کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ شورش کاشمیری کی کتابِ زندگی کے اوراق داستانِ دار و رسن سے بھرے پڑے ہیں۔ اس داستان میں شورش کے وقار، اُس کے عزم و استقلال کی بات نمایاں حیثیت رکھتی ہے اور کہنا پڑتا ہے کہ:

جس دھج سے کوئی مقتل میں گیا وہ شان سلامت رہتی ہے
یہ جان تو آنی جانی ہے اس جان کی کوئی بات نہیں

یا پھر......

تاریخ میں لکھا گیا ، محفوظ ہو گیا
جس دھج سے کوئی زینتِ دار و رسن ہوا

نہ جانے کتنی بار گردشِ دوراں نے شورش کو مصائب و مشکلات کے آہنی پنجوں کے سپرد کیا اور نہ جانے کتنی بار ترکشِ ظلم و ستم سے سینۂ حق و صداقت چھلنی ہوا۔ بچپن، جوانی، بڑھاپا ہر موڑ پر زنجیروں نے شورش کو سلام کیا اور شورش نے راہِ حق میں ہر ابتلا، ہر مشکل کو خندہ پیشانی سے خوش آمدید کہا۔ آخری بار شورش نے مسئلہ ختم نبوت اور ردّ قادیانیت کے محاذ پر کراچی میں ۵۲ دنوں کی بھوک ہڑتال کی اور بالآخر حکومتِ وقت کو پسپائی اختیار کر کے شورش کو رہا کرنا پڑا تو کراچی سے لاہور تک شورش کا ایسا فقید المثال استقبال ہوا کہ تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ لوگ فرطِ محبت سے مدہوش شورش پر گرتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ شورش کو اپنی آنکھوں میں سما لینا چاہتے ہیں۔ اپنے دل میں بٹھا لینا چاہتے ہیں۔ لیکن یہ بات اُن کے بس میں نہیں تھی کراچی سے لاہور تک ہر ریلوے سٹیشن پر لوگوں کا عظیم اجتماع شورش کے استقبال کے لیے موجود تھا اور ختم نبوت زندہ باد کے فلک شگاف نعروں سے فضا میں ایک گونج پیدا کر رہا تھا۔ اس بار جس شان وشوکت سے شورش حکومتِ وقت کے ساتھ ٹکرایا۔ اس کی گونج رہتی دنیا تک سنائی دیتی رہے گی۔ گزرتے وقت کی آہنی چادر بصد کوشش بھی اس گرجدار آواز کو اپنی پھیلتی ہوئی وسعت میں خاموشی سے ہم کنار نہ کر سکے گی۔ کیوں شورش کی اس قربانی کا تعلق ناموس مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے تحفظ سے تھا۔ جس کے بارے میں علامہ اقبال کہہ گئے ہیں:

بمصطفیٰ برساں خواہش را کہ دیں ہم اوست
گر بہ اُو نہ رسیدی تمام بولہبت

☆☆☆

پروفیسر محمد حمزہ نعیم

ہلالِ عید (شوال) کہاں اور کب نظر آئے گا؟

حرمین شریفین سمیت دنیا کے 30 بڑے شہروں کی تقابلی جدول 1428ھ

''ماہ'' کا لفظی معنیٰ چاند ہے۔ جیسا کہ مون سے مہینے کے لیے لفظ ''منتھ'' (Month) بنتا ہے۔ نظر آئے تو چاند، نظر نہ آئے تو کچھ بھی نہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ مہینہ وہیں سے شروع ہوتا ہے جہاں سے چاند نظر آئے۔ اسی مفہوم کو ایک حدیث پاک میں بتایا گیا کہ ''اِنْ غُمَّ عَلَیْکُمْ فَاَکْمِلُوْا الْعِدَّۃَ ثَلَاثِیْنَ اگر بادل وغیرہ ہوں (اور چاند نظر نہ آئے) تو 30 کی گنتی پوری کرلو۔'' واضح بات ہے کہ بادل گرد وغبار عینی رویت میں حائل ہوتے ہیں۔ انسانی آنکھ بادلوں کی وجہ سے ہلال نہیں دیکھ سکتی۔ علمی چاند کے لیے تو بادل گرد وغبار وغیرہ کچھ بھی حائل نہیں ہوتا۔ پھر عینی رویت والا چاند افق مغرب میں غروب شمس کے بعد ڈھونڈنا پڑتا ہے۔ جب کہ علمی چاند کے لیے کسی افق کسی مطلع پر نظر ڈالنے کی ضرورت نہیں ہوتی وہ تو حساب کر کے دو جمع دو چار کی طرح بتایا جاسکتا ہے کہ نیا چاند ہوگیا ہے۔ پھر ہلال تو بوقت مغرب ہی دیکھا جاتا ہے جب کہ علمی چاند 24 گھنٹوں میں کسی بھی وقت ہوا کرتا ہے۔ جیسا کہ سعودی محکمہ قضاء اعلیٰ کا اعلان ہے کہ اگر غروب آفتاب سے 12 گھنٹے پہلے نیومون ہو جائے یعنی گزشتہ آدھی رات کے بعد بھی تو...... اُس دن کو سابقہ مہینہ کا آخری دن نہیں بلکہ آنے والے مہینہ کا پہلا دن شمار کرلیا جاتا ہے۔

ہندو تہذیب میں بھی نظر آنے والے چاند کو دوج لگنا (یعنی دوسری شب) شمار کیا جاتا ہے اور اُس سے پہلے والے دن اور گزشتہ رات کو پہلی شب گردانا جاتا ہے۔ گویا وہ بھی نیومون کو اوّل ماہ شمار کرتے ہیں لیکن نیومون جدید سائنس دانوں کی اصطلاح ہو یا دوج اور اوماوس قدیم ہندی تہذیب کے الفاظ، سب اہل علم وقدیم وجدید یہی کہتے ہیں کہ نیومون یعنی اماوس ایسا وقت ہوتا ہے جب ہلال نظر آنا ممکن نہیں ہوتا۔ نیومون عین اجتماع شمس وقمر کو کہتے ہیں اور اسی لمحے چاند کی پیدائش یعنی نئے اصطلاحی چاند کی عمر شروع ہوتی ہے۔ چاند کی عمر 20 سے 30 گھنٹے ہو تو اُس کے آنکھوں سے نظر آنے کے امکانات شروع ہوتے ہیں اور غروب آفتاب کے تقریباً 50 منٹ بعد تک چاند کا افق پر کھڑا رہنا بھی ضروری ہوتا ہے تاکہ سورج کی شعاعوں سے نکل کر وہ انسانی نظروں میں آسکے ......حرمین شریفین سمیت دنیا کے 30 بڑے شہروں کی ہلال عید الفطر کی تقابلی جدول حاضر ہے۔ جس میں سڈنی، کوالالمپور، کولمبو، خرطوم کے بعد اور شاید مکہ مکرمہ میں 12 ر اکتوبر کی شام ہلال عید نظر آسکے گا۔ جب کہ باقی تمام دنیا میں 13 ر اکتوبر 2007ء سے پہلے ہلالِ عید نظر نہ آئے گا۔ جدول ملاحظہ ہو:

جدول رویت ہلال

مورخہ 11/اکتوبر 2007ء | مورخہ 12/اکتوبر 2007ء

شہر کا نام	غروب آفتاب کا مقامی وقت	چاند کی عمر بوقت غروب آفتاب	سورج غروب ہونے سے کتنا پہلے یا بعد چاند غروب ہوگا؟	غروب آفتاب کا مقامی وقت	چاند کی عمر بوقت غروب آفتاب	سورج غروب ہونے سے کتنا بعد چاند غروب ہوگا؟
مکہ مکرمہ	18:00	9:59	ایک منٹ پہلے	17:59	33:58	33 منٹ بعد
مدینہ منورہ	17:57	9:56	3 منٹ پہلے	17:56	33:55	30 منٹ بعد
جدہ	18:02	10:01	ایک منٹ پہلے	18:01	34:00	33 منٹ بعد
ریاض	17:29	9:28	3 منٹ پہلے	17:28	33:27	29 منٹ بعد
کراچی	18:09	8:08	5 منٹ پہلے	18:08	32:07	27 منٹ بعد
گوادر	18:27	8:26	5 منٹ پہلے	18:26	32:25	28 منٹ بعد
لاہور	17:36	7:35	9 منٹ پہلے	17:35	31:34	20 منٹ بعد
جھنگ	17:44	7:43	9 منٹ پہلے	17:43	31:42	21 منٹ بعد
چارسدہ	17:43	7:42	10 منٹ پہلے	17:41	31:40	17 منٹ بعد
پشاور	17:44	7:43	10 منٹ پہلے	17:43	31:42	18 منٹ بعد
رباط، مراکش	18:01	13:00	4 منٹ پہلے	18:00	36:59	24 منٹ بعد
قاہرہ	17:29	10:28	5 منٹ پہلے	17:27	34:26	25 منٹ بعد
خرطوم	17:31	10:30	2 منٹ پہلے	17:30	34:29	39 منٹ بعد
دمشق	17:06	10:05	7 منٹ پہلے	17:05	34:04	21 منٹ بعد
بغداد	17:33	9:32	8 منٹ پہلے	17:32	33:31	21 منٹ بعد
قندھار	17:38	8:07	9 منٹ پہلے	17:37	32:06	20 منٹ بعد
دہلی	17:56	7:25	8 منٹ پہلے	17:54	31:23	22 منٹ بعد
ڈھاکہ	17:35	6:34	7 منٹ پہلے	17:34	30:33	26 منٹ بعد
کوالالمپور	19:00	5:59	برابر	19:00	29:59	39 منٹ بعد

شہر کا نام	غروب آفتاب کا مقامی وقت	چاند کی عمر بوقت غروبِ آفتاب	سورج غروب ہونے سے کتنا پہلے یا بعد چاند غروب ہوگا؟	غروب آفتاب کا مقامی وقت	چاند کی عمر بوقت غروب آفتاب	سورج غروب ہونے سے کتنا بعد چاند غروب ہوگا؟
کولمبو	17:55	7:24	ایک منٹ بعد	17:54	31:23	40منٹ بعد
سڈنی	19:05	3:04	6منٹ بعد	19:05	27:04	63منٹ بعد
طرابلس، لیبیا	18:39	11:38	5منٹ پہلے	18:38	35:37	23منٹ بعد
لندن	17:17	12:16	21منٹ پہلے	17:15	36:14	5منٹ پہلے
واشنگٹن	17:36	17:35	3منٹ پہلے	17:35	41:34	23منٹ بعد
اوٹاوہ، کینیڈا	17:27	17:26	10منٹ پہلے	17:25	41:24	11منٹ بعد
اوسلو	17:18	11:17	36منٹ پہلے	17:15	35:14	34منٹ پہلے
کوپن ہیگن	17:19	11:18	28منٹ پہلے	17:16	35:15	18منٹ پہلے
سٹاک ہالم	16:53	10:52	34منٹ پہلے	16:50	34:49	30منٹ پہلے
ماسکو	17:39	9:38	29منٹ پہلے	17:36	33:35	19منٹ پہلے
ایڈمنٹن (کینیڈا)	17:48	19:47	20منٹ پہلے	17:46	43:45	7منٹ پہلے

نوٹ: اس جدول کی تیاری میں رائل آبزرویٹری گرین وچ لندن سے مدد لی گئی ہے۔

مسافرانِ آخرت

☆ سید محمد کفیل بخاری کی پھوپھی زاد بہن اور سید ریاض شاہ صاحب، سید فیاض شاہ صاحب کی حقیقی بہن ۱۲ رمضان المبارک ۱۴۲۸ھ مطابق ۲۵ ستمبر ۲۰۰۷ء پسرور ضلع سیالکوٹ میں انتقال کر گئیں۔

☆ ساہیوال سے تعلق رکھنے والے اٹلی کے ممتاز صحافی اور مصنف جاوید کنول کی اہلیہ گزشتہ دنوں ساہیوال میں انتقال کر گئیں۔ چیچہ وطنی کے بزرگ محمد اسلم شیخ اور مجلس احرار اسلام کے رہنما عبداللطیف خالد چیمہ نے اُن کے انتقال پر تعزیت اور دعائے مغفرت کی ہے۔

☆ بابائے احرار میاں غلام فرید کے بھانجے اور اللہ یار ظفر، ماسٹر اللہ بخش سلیمی کے بھائی قدیمی احرار کارکن احمد یار اختر مرحوم (کمالیہ) وفات: ۱۳ ستمبر ۲۰۰۷ء۔ بروز جمعرات ☆ جام حاجی ممتاز احمد ماہڑہ مرحوم (مظفر گڑھ) گزشتہ ماہ انتقال کر گئے۔

قارئین سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔ (ادارہ)

دعائے صحت

☆ والدہ صاحبہ حافظ شفیق الرحمٰن (رفیق سفر حضرت پیر جی مدظلہ) ☆ بنت عبدالرحمٰن جامی نقشبندی (جلال پور پیروالا) علیل ہیں۔ قارئین سے دعائے صحت کی درخواست ہے۔ (ادارہ)

ساغر اقبالی

زبان میری ہے بات اُن کی

☆ حکومت میں آ کر مدارس کے خلاف کریک ڈاؤن کروں گی۔ (بے نظیر)

خدا کرے! تیرے گھڑے دا پانی کدی نہ مکے!

☆ وکلا میرا بیان غلط سمجھے ہوں تو میں معذرت چاہتا ہوں۔ (الطاف حسین)

پان اور اُس پر یہ ویا کھان! واہ! کیا گل کھلاتے ہیں الطاف بھائی!

☆ مولانا فضل الرحمٰن بیک وقت پانچ رنگوں کی گیندیں اچھالنے کے ماہر ہیں۔ (بی بی سی)

سڑدا کیوں اے؟

☆ سرحد اسمبلی سے استعفے دے دیں۔ (وکلاء کا مطالبہ)

جسٹس کو ووٹ کون دے گا؟ (فضل الرحمٰن)

☆ وکیلوں کو سیاست میں نہیں آنا چاہیے۔ جس کا کام اُسی کو ساجھے! (احمد رضا قصوری)

اسی لیے تو آپ کا منہ کالا کیا گیا۔

☆ موجودہ حالات میں اسمبلی کی مدت بڑھانا غیر آئینی بے قاعدگی ہوگی۔ (احسن اقبال)

کوئی آئینی بے قاعدگی بھی ہوتی ہے۔

☆ بچوں کو بھوک سے تڑپتا دیکھ کر، باپ نے خودسوزی کر لی۔ (ایک خبر)

’’ہر قدم خوشحالی کی جانب!‘‘

☆ آرٹیکل ۶۲ اور ۶۳ نہ ہو تو کوئی پاگل بھی صدر منتخب ہو سکتا ہے۔ (جسٹس (ر) طارق محمود)

اور اس بند ہوتے ہوئے بازار سے کیا چاہتے ہو!

☆ انتہا پسندی کے خلاف جنگ کی قیادت کرنے پاکستان جا رہی ہوں۔ (بے نظیر)

’’سیاسی چھپکلی‘‘ اقتدار کے لیے بے کلی ملاحظہ ہو!

☆ اسمبلی کی مدت دوبارہ چھ چھ ماہ کے لیے بڑھائی جا سکتی ہے۔ (وزیر اعظم شوکت عزیز)

☆ اقتدار میں آئی تو عالمی ایٹمی ایجنسی کو ڈاکٹر قدیر تک رسائی دوں گی۔ (بے نظیر)

شرم تم کو مگر نہیں آتی

ادارہ　　مجلس احرار اسلام پاکستان کی سرگرمیاں

اخبارالاحرار

پرویز کی دین دشمن پالیسیوں نے ملک کو مقتل بنادیا ہے: قائدِ احرار سید عطاء المہیمن بخاری

جلال پور پیروالا (یکم ستمبر) پرویز مشرف کی دین دشمن پالیسیوں نے ملک کو مقتل بنادیا ہے۔ ہر طرف انسانی لاشیں اور خون بکھر رہا ہے۔ لال مسجد اور جامعہ حفصہ کا ہولناک اور انسانیت کش سانحہ، مسجد و مدرسہ کو کفر اور بدی کے خلاف مزاحمتی کردار پیدا کرنے کی سزا دی گئی ہے۔ ان خیالات کا اظہار قائدِ احرار سید عطاء المہیمن بخاری نے جامعہ موسویہ نقشبندیہ جلال پور پیروالا کے سالانہ اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کیا۔ مجلس احرار اسلام جلال پور پیروالا کے صدر عبدالرحمٰن جامی نے کارکنوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ روشن خیالی کے نام پر نیا دین گھڑا جارہا ہے۔ قائدِ احرار نے بعدازاں جامعہ فاروقیہ صوت القرآن اسامہ کالونی جلال پور میں کارکنانِ احرار سے ملاقات کی۔

☆☆☆

ملتان (یکم ستمبر) دارِ بنی ہاشم ملتان میں قائدِ احرار سید عطاء المہیمن بخاری اور مرکزِ احرار جامع مسجد صدیقیہ کمالیہ میں تحریک تحفظ ختم نبوت کے رہنما عبداللطیف خالد چیمہ نے عشرۂ ختم نبوت کے سلسلہ میں اجتماعات سے خطاب کرتے ہوئے حکمرانوں اور سیاست دانوں کو انتباہ کیا کہ وہ اقتدار کے بچاؤ اور محض حصولِ اقتدار کے لیے ملکی مفاد اور قیامِ ملک کے مقاصد کو داؤ پر نہ لگائیں اور قادیانی لابی اور قادیانی نواز عناصر کی خطرناک سازشوں کے جال میں پھنسنے کی بجائے ایسی سازشوں کا حقیقی ادراک اور سدِ باب کریں۔ مجلس احرار اسلام پاکستان کے امیر مرکزیہ سید عطاء المہیمن بخاری نے بڑے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ قادیانی اسٹیبلشمنٹ نے جنرل پرویز اور چودھری برادران کے اردگرد گھیرا تنگ کر رکھا ہے اور امریکہ نئے سیاسی سیٹ اپ میں قادیانی اثر ونفوذ کو بڑھانا چاہتا ہے۔ انھوں نے کہا کہ ۲۰۰۸ء میں قادیانیوں کی طرف سے صد سالہ جشن خلافت دھوکہ اور ڈھونگ ہے۔ مجلس احرار اسلام پوری دنیا کو اس مسئلہ پر آگاہی دے گی اور پاکستان اور برطانیہ سمیت متعدد ممالک میں قادیانی دھوکہ دہی کا پردہ چاک کرنے کے لیے اجتماعات اور سیمینار منعقد ہوں گے اور مختلف زبانوں میں وسیع پیمانے پر لٹریچر شائع کیا جائے گا۔ عبداللطیف خالد چیمہ نے کمالیہ میں خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ایک طویل جدوجہد کے بعد ذوالفقار علی بھٹو مرحوم کے دورِ اقتدار میں پارلیمنٹ میں تمام اراکین اسمبلی نے سو فیصد متفقہ طور پر لاہوری و قادیانی مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا تھا اور ۱۹۸۴ء میں ضیاء الحق کے دور میں قادیانیوں کو اسلامی علامات استعمال کرنے سے روک دیا گیا تھا لیکن آج چناب نگر سمیت پورے ملک میں قادیانی قانون تحفظ ختم نبوت کی علانیہ خلاف ورزی کر رہے ہیں۔ چناب نگر کے اردگرد وسیع رقبے قادیانی جماعت مہنگے داموں خرید کر ملکی سلامتی کے حوالے سے خطرناک کھیل، کھیل رہی ہے اور ریاست کے اندر ریاست قائم کی جارہی ہے۔ انھوں نے الزام عائد کیا کہ لال مسجد اور سانحہ اسلام آباد کے پس منظر میں قادیانیوں نے سی ڈی اے کے تین قادیانی ڈائریکٹرز کے ذریعے اہم کردار ادا کیا اور صورتحال کو مزید

خراب کرنے کی شعوری کوشش کی۔انھوں نے کہا کہ پاکستان اسلام کے نام پر بنا تھا اور اسلام کے نفاذ ہی سے باقی رہ سکتا ہے۔

☆☆☆

لاہور (۲رستمبر) مجلس احراراسلام پاکستان کے امیر مرکزیہ سید عطاء المہیمن بخاری اور سیکرٹری جنرل پروفیسر خالد شبیر احمد نے لال مسجد کو کھولنے کے حوالے سے اسلام آباد میں منعقدہ علماء کنونشن کے اعلامیے اور مطالبات کی مکمل تائید وحمایت کا اعلان کیا ہے۔ایک بیان میں احرار رہنماؤں نے کہا کہ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے صدر مولانا سلیم اللہ خان کا یہ کہنا برحق ہے کہ ''جمہوریت سے اسلام نہیں آسکتا۔یہ نظام شریعت کے خلاف ہے۔اتنی بڑی تعداد میں علماء کا پارلیمنٹ میں پہنچنے کا کیا فائدہ؟ حقوقِ نسواں بل کے خلاف یہ کیا کر سکے؟ انتخابی سیاست سے اسلام نافذ نہیں ہوسکتا۔'' مجلس احراراسلام کے قائدین نے اپنے بیان میں کہا ہے کہ مولانا سلیم اللہ خان نے حق فرمایا۔یہی دعوت مجلس احراراسلام پون صدی سے دے رہی ہے۔قائدِ احرار سید ابومعاویہ ابوذر بخاریؒ نے ۱۹۷۲ء میں فرمادیا تھا۔تب ان کی بات علماء کرام کو بھی اجنبی لگتی تھی مگر آج کا منظرنامہ بالکل وہی ہے جس کی تین دہائیوں قبل سید ابومعاویہ ابوذر بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے تصویر کشی فرمائی تھی۔مجلس احراراسلام کے قائدین نے کہا کہ اسلام کفر کے سہاروں کا محتاج نہیں۔اسلام جب بھی آیا اپنے نام سے آئے گا۔جمہوریت کے ذریعے اسلامی نظام تو کجا اصلاحِ احوال بھی ممکن نہیں۔

☆☆☆

ساہیوال (۳رستمبر) ۷رستمبر۱۹۷۴ء کو ذوالفقار علی بھٹو مرحوم کے دورِ اقتدار میں لاہوری وقادیانی مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیئے جانے کے حوالے سے ساہیوال میں انٹرنیشنل ختم نبوت موومنٹ کے زیراہتمام جامعہ اشرفیہ مرکزی جامع مسجد عیدگاہ میں ایک بڑا اجتماع عبدالحفیظ گوریجہ کی زیرصدارت اور مولانا عبدالستار کی زیرنگرانی منعقد ہوا۔انٹرنیشنل ختم نبوت موومنٹ کے امیر مرکزیہ مولانا عبدالحفیظ مکی (مکہ مکرمہ) نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ۷رستمبر کا دن ہمیں یاد دلاتا ہے کہ ہم تمام فروعی اختلافات کو ختم کر کے عقیدۂ ختم نبوت کی مضبوط ترین قدرِ مشترک پر اکٹھے ہوجائیں اور مرزائیت اور کفر والحاد کی چالبازیوں اور سازشوں کو سمجھ کر اپنا دائرہ کار اور لائحہ عمل طے کریں۔انھوں نے کہا کہ یورپ امریکہ اور افریقی ممالک کے بعد اب قادیانی مشرقِ وسطیٰ میں بھی اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کر کے دھوکہ دے رہے ہیں لیکن ان کے تمام دجل وفریب کے باوجود مجاہدین ختم نبوت ہر جگہ اور ہر محاذ پر ان کے دجل وفریب کا پردہ عیاں کررہے ہیں۔انھوں نے کہا کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منصبِ رسالت وختم نبوت کا تحفظ ودفاع ہمارے لیے دنیا وآخرت کا سامان ہے اور ختم نبوت کے تحفظ کے بغیر ہماری زندگی بے کار ہے۔انٹرنیشنل ختم نبوت موومنٹ پاکستان کے سیکرٹری جنرل مولانا زاہد محمود قاسمی نے کہا ہے کہ قادیانی گروہ صرف اسلام پر طعن وتشنیع ہی نہیں کرتا بلکہ اسلام کی بیخ کنی کررہا ہے اور ملک وملت کا غدار ہے۔اس گروہ کو سیاسی کردار دینے والی ہر حکومت اور ہر سیاستدان رسوا ہوا اور آئندہ بھی ہوگا۔انھوں نے کہا کہ ختم نبوت کے محاذ کے سپاہیوں کو منظّم ومتحد ہوکر آگے بڑھنا چاہیے۔مجلس احراراسلام پاکستان کے سیکرٹری اطلاعات عبداللطیف خالد چیمہ نے کہا کہ

۷ستمبر ۱۹۷۴ء کو امت کی ایک سو سالہ جدوجہد اور شہداء ختم نبوت کا خونِ بے گناہی رنگ لایا اور بھٹو مرحوم جیسے حکمران کے ہاتھوں آئینی طور پر یہ مسئلہ حل ہوا۔ انھوں نے کہا کہ بھٹو مرحوم نے کہا تھا کہ ''قادیانی پاکستان میں وہی حیثیت حاصل کرنا چاہتے ہیں جو امریکہ میں یہودیوں کو حاصل ہے۔

☆☆☆

لاہور (۷ستمبر) ۳۴ سال قبل پاکستان کی پارلیمنٹ میں ذوالفقار علی بھٹو مرحوم کے دورِ اقتدار میں لاہوری اور قادیانی مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیئے جانے کے تاریخی دن ۷ستمبر کے حوالے سے ملک بھر میں ''یوم تحفظ ختم نبوت'' (یوم قرار دادِ اقلیت) جوش وخروش کے ساتھ منایا گیا۔ مجلس احرار اسلام، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت اور انٹرنیشنل ختم نبوت موومنٹ کے زیر اہتمام ملک کے طول وعرض میں اجتماعات ہوئے۔ تمام مکاتبِ فکر کے علماء کرام اور خطباء عظام نے اپنی اپنی مساجد میں خطباتِ جمعۃ المبارک کے دوران تحفظ ختم نبوت اور قادیانی ریشہ دوانیوں پر تفصیلی روشنی ڈالی۔ مجلس احرار اسلام پاکستان کے امیر سید عطاء المہیمن بخاری نے چنیوٹ کے مرکزِ احرار مدنی مسجد میں بہت بڑے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ حزبِ اقتدار نے قادیانیت نوازی کے نئے ریکارڈ قائم کیے ہیں۔ ۷ستمبر کا دن ہمیں اپنے مقصد پر استقامت کے ساتھ قائم رہنے اور نظریاتی وفکری وابستگی کو اور زیادہ مضبوط بنانے کا درس دیتا ہے۔ انھوں نے کہا کہ قادیانیوں نے ۱۹۵۲ء میں بھی اس ملک کے اقتدار پر قبضہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ تب بھی مسلم لیگ کا دورِ اقتدار تھا اور موسیو ظفر اللہ خان قادیانی وزیر خارجہ۔ لیکن ۱۹۵۳ء میں اکابر احرار نے مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کے پلیٹ فارم پر تمام مکاتبِ فکر کو اکٹھا کر کے قادیانی سازشیں ناکام ہوئیں۔ آج پھر قادیانی ریشہ دوانیاں اپنے عروج پر ہیں اور افسوسناک صورتحال یہ ہے کہ حزبِ اختلاف کے بعض لیڈر بھی قادیانی سازشوں کا شکار ہو کر اقتدار کشید کرنا چاہتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ حزبِ اقتدار اور لادین سیاست دان کان کے نہیں دل کے دروازے کھول کر سن لیں کہ قادیانی سازشیں کامیاب نہیں ہونے دی جائیں گی۔ تحریک ختم نبوت کے متوالے نامساعد حالات کے باوجود اپنا کردار ادا کرتے رہیں گے۔ مجلس احرار اسلام کے مرکزی رہنما سید محمد کفیل بخاری نے دارِ بنی ہاشم ملتان، مولانا محمد مغیرہ نے مسجد عائشہ صدیقہ سبزی منڈی سرگودھا، مولانا محمود الحسن نے جامع مسجد احرار چناب نگر، حافظ محمد عابد مسعود ڈوگر نے مرکزی مسجد عثمانیہ چیچہ وطنی، حافظ محمد اسماعیل نے جامع مسجد معاویہ، ٹوبہ ٹیک سنگھ، قاری محمد اصغر عثمانی نے جھنگ، مولانا نصیر الدین نے مسجد ختم نبوت رحیم یار خان، مولانا محمد احتشام الحق معاویہ نے کراچی اور متعدد دیگر حضرات نے اپنے اپنے مقامات پر نمازِ جمعۃ المبارک کے اجتماعات سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ عقیدۂ ختم نبوت کا تحفظ ہمارے ایمان کا حصہ ہے۔ قادیانی اسلام اور وطن دونوں کے غدار ہیں اور اکھنڈ بھارت کے لیے اپنے الہامی عقیدے پر عمل کر رہے ہیں۔ کئی دیگر شہروں میں تحریک ختم نبوت اور مجلس احرار اسلام سے وابستہ رہنماؤں اور مبلغین نے خطاب کرتے ہوئے الزام عائد کیا کہ موجودہ حکومت سرکاری وسائل سے قادیانیوں کو پرموٹ کر رہی ہے۔ اور نیشنل سیکورٹی کونسل کے سیکرٹری جنرل طارق عزیز اور ڈاکٹرز ہسپتال کے چیف ڈاکٹر مبشر احمد جو کہ سکہ بند قادیانی ہیں۔ نئے سیاسی سیٹ اپ میں قادیانی اثر ونفوذ بڑھانے کے لیے منصوبہ بندی پر عمل درآمد کر رہے ہیں۔ کل جماعتی مجلس عمل تحفظ ختم

نبوت کے مرکزی سیکرٹری جنرل عبداللطیف خالد چیمہ نے بتایا ہے کہ برطانیہ کے طول وعرض میں ختم نبوت اکیڈمی لندن کے عبدالرحمٰن باوا کی اپیل پر یوم تحفظ ختم نبوت منایا گیا۔عبدالرحمٰن باوا نے لندن اور مولانا رفاقت علی نے ٹورنٹو (کینیڈا) میں یوم تحفظ ختم نبوت کے اجتماعات سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ دین وغیرت سے بے بہرہ پاکستانی سیاست دان قادیانیوں کو تحفظات فراہم کر کے امریکی و یہودی لابیوں کے مقاصد پورے کر رہے ہیں۔ضرورت اس امر کی ہے کہ پوری دنیا میں قادیانی دجل وتلبیس اور مکر وفریب کا سیاسی سطح پر بھی تعاقب کیا جائے۔علاوہ ازیں جرمنی کے مشہور سابق قادیانی لیڈر شیخ راحیل احمد، مظفر احمد مظفر، سید منیر احمد شاہ اور افتخار احمد نے ۷ر ستمبر یوم تحفظ ختم نبوت کے حوالے سے اپنے پیغامات میں کہا ہے کہ بین الاقوامی سطح پر میڈیا پر یہودی لابی کا قبضہ ہے۔ضرورت اس امر کی ہے کہ قادیانی نواز سیاسی جماعتوں کا مکمل بائیکاٹ کیا جائے اور تحریک ختم نبوت کی نئی صف بندی کر کے پوری دنیا میں اس کام کو منظم کیا جائے۔مزید برآں مجلس احرار اسلام پاکستان کے زیر اہتمام نیو مسلم ٹاؤن لاہور میں سالانہ ختم نبوت کانفرنس قائدِ احرار سید عطاء المہیمن بخاری کی زیر صدارت منعقد ہوئی۔جس میں مولانا عبدالمالک (ایم این اے)، پروفیسر خالد شبیر احمد، سید محمد کفیل بخاری، عبداللطیف خالد چیمہ، قاری محمد یوسف احرار سمیت متعدد مقررین نے خطاب کیا اور مطالبہ کیا کہ ۱۹۷۳ء کے آئین کے مطابق تحفظ ختم نبوت کے قوانین کے جملہ تقاضے پورے کیے جائیں اور امتناعِ قادیانیت ایکٹ پر مؤثر عمل درآمد کرایا جائے۔مقررین نے کہا کہ قادیانیوں نے ۲۰۰۸ء میں جس صد سالہ جشن خلافت کا اعلان کر رکھا ہے' وہ دھوکہ اور فراڈ ہے۔مجلس احرار اسلام دینی جماعتوں کے تعاون سے قادیانیوں کے صد سالہ جشن خلافت کی حقیقت سے دنیا کو آگاہ کرے گی۔مقررین نے کہا کہ اقوام متحدہ کا فرض بنتا ہے کہ وہ قادیانیوں کو اسلام کا ٹائٹل استعمال کرنے سے روکے اور قادیانی اپنی متعینہ آئینی حیثیت کو تسلیم کریں اور اس دائرے میں رہیں جن کا آئین میں اُنھیں حق دیا گیا ہے۔تحریک ختم نبوت کے مرکزی رہنما عبداللطیف خالد چیمہ نے بتایا کہ احرار کے مرکزی دفتر میں موصولہ اطلاعات کے مطابق ملک کے چھوٹے بڑے شہروں حتیٰ کہ قصبات کی مساجد میں بھی یوم تحفظ ختم نبوت منایا گیا ہے اور شہداء ختم نبوت کو خراجِ عقیدت پیش کیا گیا ہے۔انھوں نے بتایا کہ دنیا کے کئی ممالک میں اس یادگار دن کے حوالے سے تقریبات کا سلسلہ جاری ہے۔جو ۱۰ر ستمبر تک جاری رہے گا۔دریں اثناء جمعۃ المبارک کے اجتماعات اور دیگر تقاریب میں سابق وزیر اعظم میاں نواز شریف اور دیگر سیاست دانوں سے بھی مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ اپنی ترجیحات میں عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ کی جدوجہد کو شامل کریں اور قادیانیوں کی خطرناک سرگرمیوں سے قوم کو آگاہ کریں۔

☆☆☆

چیچہ وطنی (۹ر ستمبر) شہید ناموسِ صحابہ، مردِ احرار پیر جی عبدالعلیم رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کی یاد میں ایک نئے ادارے ''مدرسہ معارف القرآن'' گلشن مدینہ چیچہ وطنی کے سنگِ بنیاد کی تقریب کے مقررین نے کہا ہے کہ مدارس ومساجد اسلامی تعلیمات کی تربیت گاہوں کا کردار ادا کر رہی ہیں۔عالمی سطح پر مخالفت بڑھنے سے ان کی تعداد میں روز بروز خاطر خواہ اضافہ ہو رہا ہے۔شیخ الحدیث مولانا محمد ارشاد، شیخ الحدیث مولانا محمد نذیر، سید محمد کفیل بخاری، پیر جی قاری عبدالجلیل، پیر جی مولانا عبدالحفیظ، مولانا عبدالحفیظ، مولانا عبدالستار، قاری منظور احمد طاہر، حافظ محمد شفیق، مولانا منظور احمد، عبداللطیف

خالد چیمہ، قاری محمد دین، مولانا اسد الرحمٰن، حافظ حبیب اللہ رشیدی، میاں محمد مشتاق، میاں محمد عباس، مرشد بشیر احمد اور دیگر حضرات نے خصوصی شرکت کی اور مدرسہ کے بانی حافظ محمد انور رشیدی کی میزبانی میں ادارے کا سنگِ بنیاد رکھا جب کہ شہریوں، دینی رہنماؤں اور کارکنوں کی ایک بڑی تعداد شریک اجتماع تھی۔ جس نے پیر جی عبدالعلیم شہید کی مثالی خدمات کو خراجِ عقیدت پیش کیا۔ مجلس احرار اسلام پاکستان کے مرکزی رہنما سید محمد کفیل بخاری نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ قرآن پاک کی تعلیمات واحکامات حتمی ہیں اور انھی آسمانی تعلیمات میں پوری دنیا کی فلاح وکامیابی مضمر ہے۔ انھوں نے کہا کہ آج کا عالمی ماحول قرآنی تعلیمات ماننے والوں کے کردار کو مسخ کر کے دہشت گردی سے منسوب کر رہا ہے۔ حالاں کہ اسلام امن وسلامتی کا دین ہے۔ شیخ الحدیث مولانا محمد ارشاد نے کہا کہ قرآن پاک کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود لے رکھا ہے۔ یہ ہمیشہ اپنی اصلی شکل میں باقی رہے گا اور اسلام کا بول بالا دنیا میں آخر کار ہونا ہے۔ تاہم ہمیں قرآن کریم پڑھنا بھی چاہیے اور اس پر مکمل عمل بھی کرنا چاہیے۔ عبداللطیف خالد چیمہ نے کہا کہ پیر جی عبدالعلیم شہید جن کی یاد میں یہ مدرسہ قائم کیا گیا ہے۔ انھوں نے ساری زندگی اس علاقے میں قرآنی تعلیمات کی ترویج واشاعت کے ساتھ ساتھ مجاہدانہ کردار ادا کیا او رتحریک تحفظ ختم نبوت اور تحریک تحفظ ناموسِ صحابہ (رضی اللہ عنہم) کے لیے بے پناہ خدمات دیں۔ وہ کوہِ استقامت تھے اور ہمیشہ ایثار وقربانی اور امن کا درس دیتے رہے۔ ان کی یادگار کے طور پر حافظ محمد انور نے مدرسہ قائم کر کے اہل علاقہ پر احسان کیا ہے۔ مولانا محمد شفیق نے کہا کہ اسلام اور مدارس دینیہ لازم وملزوم ہیں اور دین کا جذبہ جہاد دینی اداروں کی وجہ سے پروان چڑھا ہے۔ دینی اداروں میں علم وہنر سکھائے جاتے ہیں، ان پر الزام تراشیاں کرنے والے دین سے نابلد ہیں۔ ہمارے مستقبل کی کامیابی کا انحصار اچھے اور معیاری مدارس کے قیام اور بقاء پر ہے۔

☆☆☆

تلہ گنگ (۱۴؍ستمبر) مجلس احرار اسلام کے مرکزی ناظم انتخابات مولانا محمد مغیرہ نے یکم رمضان المبارک مطابق ۱۴؍ستمبر ۲۰۰۷ء کو جامع مسجد ابوبکر صدیق تلہ گنگ میں خطبۂ جمعہ ارشاد فرمایا۔ بعد نمازِ جمعہ مجلس احرار اسلام تلہ گنگ کا حسب انتخاب اپنی نگرانی میں مکمل کرایا۔

صدر: حاجی ملک محمد صدیق　　نائب صدر: ڈاکٹر محمد عمر فاروق

ناظم: عبدالرزاق　　نائب ناظم: خالد فاروق

ناظم نشر واشاعت: شیخ محمد فہیم اصغر　　نائب ناظم نشر واشاعت: احمد نواز

اراکین شوریٰ: ماسٹر غلام یٰسین، حاجی غلام شبیر، خالد فاروق

☆☆☆

ملتان (۱۶؍ستمبر) مجلس احرار اسلام پاکستان کے امیر سید عطاء المہیمن بخاری نے کہا ہے کہ مولانا حسن جان کی شہادت پاکستان میں علماء کے قتل کی گہری سازش ہے۔ جنرل پرویز مشرف کے دورِ حکومت میں چُن چُن کر علماء کو قتل کیا گیا۔ انھوں نے کہا کہ یہ ٹارگٹ کلنگ ہے۔ وہ علماء حق جو مثبت انداز میں دین کی خدمت کر رہے ہیں اور جن کی شخصیت اور علم پر

عوام کو اعتماد ہے انہیں راستے سے ہٹایا جا رہا ہے۔ گزشتہ چار پانچ برسوں میں کراچی میں بھی علماء کو چُن چُن کر قتل کیا گیا، پھر لال مسجد میں قتل عام کیا گیا اور اب مولانا حسن جان کو شہید کیا گیا ہے۔ یہ قتل عالمی استعمار کی گھناؤنی سازش کی کڑی ہے۔ انھوں نے کہا کہ مولانا حسن جان ایک غیر متنازعہ عالم دین اور عوام کی محبوب شخصیت تھے۔ ان کی شہادت ناقابلِ تلافی نقصان ہے۔ مجلس احرار اسلام کے سیکرٹری جنرل پروفیسر خالد شبیر احمد، سیکرٹری نشر واشاعت عبداللطیف خالد چیمہ اور مرکزی نائب ناظم سید محمد کفیل بخاری نے بھی مولانا حسن جان کی شہادت پر گہرے غم کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ حکومت عوام کے جان و مال کا تحفظ کرنے میں ناکام ہو چکی ہے۔ حکمرانوں کو مستعفی ہو جانا چاہیے۔

☆☆☆

کراچی (۲۱رستمبر) مجلس احرار اسلام پاکستان کے مرکزی نائب ناظم سید محمد کفیل بخاری ۱۸رستمبر کو چار روزہ دورے پر کراچی پہنچے۔ انھوں نے انتہائی مصروف دن گزارے۔ مجلس احرار اسلام کی رکنیت سازی کے سلسلے میں کارکنوں کے ایک اجلاس میں فارم رکنیت پُر کیے گئے۔ اور مجلس احرار اسلام کراچی کا انتخاب کیا گیا۔

صدر: شفیع الرحمٰن احرار　　　ناظم اعلیٰ: مولانا احتشام الحق　　　ناظم نشر واشاعت: مولانا عبدالغفور مظفر گڑھی

۸ر رمضان المبارک ۱۴۲۸ھ مطابق ۲۱رستمبر ۲۰۰۷ء کو مولانا احتشام الحق کی دعوت پر مسجد داؤد سائٹ کراچی میں خطبۂ جمعہ دیا اور احباب سے ملاقات کی۔ اسی روز بعد نماز تراویح مکہ مسجد گرین ٹاؤن شاہ فیصل کالونی میں مکرم محمد اکبر صاحب کی دعوت پر خطاب عام کیا۔ مولانا ہارون الرشید اس مسجد کے خطیب وامام ہیں۔ نہایت علمی آدمی ہیں اور درس و تدریس میں مشغول ہیں۔ سید محمد کفیل بخاری کے اس مختصر دورۂ کراچی میں جناب محمد آصف اور محمد فیصل نے بہت تعاون کیا۔ وقت اور سواری دونوں مہیا کر کے کام کی رفتار بڑھا دی۔ مولانا احمد معاویہ، مولانا احتشام الحق، مولانا عبدالغفور مظفر گڑھی، شفیع الرحمٰن احرار، بھائی عطاء الرحمٰن اور بھائی ضیاء الرحمٰن مسلسل ملاقاتیں کرتے رہے۔ محترم محمد ارشد صاحب نے میزبانی کی اور محبت کا بھرپور اظہار کیا۔ سید محمد کفیل بخاری ۲۲رستمبر کو دورہ مکمل کر کے واپس ملتان پہنچ گئے۔

☆☆☆

ملتان (۲۳رستمبر) مجلس احرار اسلام پاکستان کے امیر سید عطاء المہیمن بخاری نے کہا ہے کہ ''سب سے پہلے پاکستان'' کہنے والے اب ''سب سے پہلے ہم'' کی سیاست کر رہے ہیں اور دوسروں کو ''سب سے بعد'' کا درس دے رہے ہیں۔ لیکن لگتا ایسا ہے کہ ڈٹ جانے والے سرنڈر ہو چکے ہیں اور ''ملی بھگت'' کی ''سیاست'' کے ''مسلمہ'' اصول پر کاربند رہ کر ''گوشۂ عافیت'' تلاش کیا جا رہا ہے۔ ایک بیان میں انھوں نے کہا کہ سترہویں ترمیم ہو یا وردی یا بغیر وردی کا ایشو ان مسائل پر ملکی سالمیت اور آئین کی بالادستی کی بجائے اپنی سیٹیں بچاؤ کے فارمولے پر عمل کیا گیا جس کا نتیجہ سب کے سامنے ہے۔ انھوں نے کہا کہ آئین سے اسلامی دفعات کے خاتمے کا وبال تو سب پر آئے گا لیکن ایسے لگتا ہے کہ کچھ قوتیں آئین سے تحفظ ختم نبوت جیسے قوانین کے درپے ہیں اور قادیانی فتنے کی آبیاری نئی صف بندی کے ساتھ ہو رہی ہے۔ یہ صورتحال محبِّ وطن سیاست دانوں کے لیے لمحہ فکریہ ہے۔

• احرار ویب سائٹ کا اجراء

ذرائع ابلاغ میں نت نئی ایجادات نے بات پہنچانے کے طریقے اور طور بدل دیئے ہیں۔موجودہ دور میں اس کا مؤثر ترین ذریعہ الیکٹرانک میڈیا ہے اور الیکٹرانک میڈیا میں انٹرنیٹ مؤثر ترین طریقہ تصور کیا جاتا ہے۔

مجلس احرار اسلام بحیثیتِ جماعت الحمدللہ ۱۹۲۹ء سے قادیانی فتنے کے استیصال کے لیے مصروفِ عمل ہے۔ مختلف ادوار میں اس فتنے کی سرکوبی اور اس کی تباہ کاریوں سے واقفیت کے لیے اکابرِ احرار نے مختلف ذرائع استعمال کیے ہیں مگر جدید دنیا کے سامنے ہم انٹرنیٹ کے ذریعے اپنا پیغام پہنچانے میں ذرا لیٹ ہوگئے ہیں۔الحمدللہ آج اس ذریعے سے بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی بات مخلوق تک پہنچانے کے لیے ہماری مدد فرمائی ہے۔ **www.mahrar.com** کے نام سے ہماری آپ سے ملاقات ان شاءاللہ تعالیٰ ہوتی رہے گی۔ویب سائٹ لانچ ہوچکی ہے اور ایک تکنیکی عمل سے گزررہی ہے۔ان شاءاللہ تعالیٰ جماعت کی تاریخ کام اور مسئلہ ختم نبوت پر بہت کچھ عمدہ مواد پڑھنے والوں کو دستیاب ہوگا۔ہماری کوشش ہے کہ جماعت کی طرف سے شائع کردہ تمام لٹریچر اور اکابرِ احرار کے آڈیو بیانات تمام کے تمام ہم آپ کے سامنے پیش کرسکیں اور ماہنامہ ''نقیبِ ختم نبوت'' بھی آپ کو ویب سائٹ پر میسر ہوسکے۔اس عظیم الشان منصوبے پر ابتدائی لاگت کا تخمینہ اسی ہزار روپے سے زائد ہے۔فی الحال کام شروع کردیا گیا ہے۔جو احباب اس خاص محاذ پر تعاون فرمانا چاہیں' اُن کے لیے نادر موقع ہے۔اللہ جزائے خیر عطاء فرمائے۔یہ سارا کام مجلس احرار اسلام اور دارالعلوم ختم نبوت چیچہ وطنی کے نظم کے ماتحت ہے اور ہمارے محترم ساتھی جناب میر کاشف رضا اس کام کی تکمیل کے لیے مسلسل محنت کررہے ہیں۔محترم سید محمد کفیل بخاری سمیت متعدد قابل قدر حضرات نے اس سلسلہ میں مفید مشوروں سے نوازا ہے۔اور یہ سارا سلسلہ جناب عبداللطیف خالد چیمہ اور مرکزی شعبہ نشریات کے زیرنگرانی ہے۔جملہ احباب سے خصوصی درخواست ہے کہ ''دعا'' اور ''دوا'' فرمائیں۔جزاکم اللہ خیر

حافظ محمد عابد مسعود ڈوگر
منتظم ویب سائٹ
www.mahrar.com
دفتر احرار چیچہ وطنی:040-5482253
موبائل:0300-9699229

دارالعلوم ختم نبوت چیچہ وطنی کے لیے مزید جگہ کی خرید

مجلس احرار اسلام چیچہ وطنی کی بڑھتی ہوئی تعلیمی و تبلیغی اور دعوتی و تحریکی سرگرمیوں خصوصاً تعلیم و تربیت نشر و اشاعت، دعوت و ارشاد اور تحفظ ختم نبوت کے بڑھتے ہوئے کام کے پیش نظر دفتر احرار جامع مسجد بلاک نمبر 12 چیچہ وطنی سے متصل مشرقی جنوبی جانب پونے دو مرلے (لمبائی 30 فٹ، چوڑائی 16 فٹ تقریباً) پر مشتمل رہائشی جگہ آٹھ لاکھ پینتیس ہزار روپے (8,35,000) میں خریدی ہے۔ الحمدللہ حسبِ وعدہ 11 مئی 2007ء کو ادائیگی کردی گئی ہے۔ اب تک کی صورتحال کے مطابق تقریباً چھے لاکھ روپے مختلف احباب سے قرض لے کر ادائیگی کی گئی ہے جو واجب الادا ہے۔ جب کہ اس جگہ کو قابلِ استعمال بنانے کے لیے ابتدائی طور پر کم از کم ایک لاکھ روپیہ مزید درکار ہے۔

اس رقم کی ادائیگی میں خصوصی تعاون فرمائیں اور اپنے حلقہ احباب اور اہل خیر کو بھی توجہ دلائیں۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر سے نوازیں۔

(آمین یا رب العالمین)

نوٹ: رقم بھیجتے وقت مد کی لازماً صراحت فرمائیں

کرنٹ اکاؤنٹ نمبر 3-1306 نیشنل بینک آف پاکستان جامع مسجد بازار چیچہ وطنی

اکاؤنٹ بنام: دارالعلوم ختم نبوت بلاک نمبر 12 چیچہ وطنی پاکستان

Dar-ul-Ulloom Khatm-e-Nabuwwat

Block No12, Chichawatni, Pakistan

email:ahrarkhatmenubuwwat@yahoo.com

0300-6939453,040-5482253

الداعی: عبداللطیف خالد چیمہ مدیر منتظم دارالعلوم ختم نبوت جامع مسجد بلاک نمبر 12 چیچہ وطنی پاکستان

مجلس احرار اسلام کی رکنیت سازی

مجلس احرار اسلام کے رکن بنیں

مجلس احرار اسلام کی دعوت

★ عقیدۂ ختم نبوت کا تحفظ

★ قادیانیت اور دیگر فتنوں کا محاسبہ

★ حکومتِ الٰہیہ کا قیام

★ اسلام کی تعلیم و تبلیغ

★ رضائے الٰہی کا حصول

● ماہِ مقدس رمضان المبارک **1428**ھ مطابق ستمبر **2007**ء سے رکنیت سازی شروع ہے **10** نومبر **2007** تک جاری رہے گی۔

● تمام ماتحت شاخیں فارم رکنیت طلب کریں اور زیادہ سے زیادہ احباب کو مجلس میں شمولیت کی دعوت دیں

رابطہ

مولانا محمد مغیرہ

(ناظم انتخابات مجلس احرار اسلام)

0301-3138803

دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان **0300-6326621,061-4511961**

E-mail:majlisahrar@yahoo.com,majlisahrar@hotmail.com

Web site:www.mahrar.com

شعبہ نشر و اشاعت مجلس احرار اسلام پاکستان

بیاد مجدد بنی ہاشم سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ـــــ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

مدرسہ معمورہ

بانی

سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ

قائم شدہ

28 نومبر 1961ء

دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان

- دارالقرآن
- دارالحدیث
- دارالمطالعہ
- دارالاقامہ

کی تعمیر میں حصہ لیں

الحمدللہ

مدرسہ معمورہ اپنے تعلیمی وفکری سفر پر گامزن ہے اور تسلسل کے ساتھ ترقی کر رہا ہے۔ طلباء کے لیے مدرسہ معمورہ اور طالبات کے لیے جامعہ بستانِ عائشہ میں حفظ وناظرہ قرآن، درسِ نظامی اور پرائمری ومڈل شعبوں میں تعلیم جاری ہے۔

طلباء کی درس گاہوں، رہائش، دفتر اور لائبریری کے لیے 24 کمروں پر مشتمل دومنزلہ عمارت کی تعمیر شروع کی جارہی ہے۔ لاگت فی کمرہ دولاکھ پچاس ہزار روپے ہے۔ صدقہ جاریہ میں حصہ لیں اور نقد وسامانِ تعمیر دونوں صورتوں میں تعاون فرما کر اجر حاصل کریں۔

رابطہ

061 - 4511961
0300-6326621
majlisahrar@yahoo.com
majlisahrar@hotmail.com

ترسیلِ زر

بذریعہ بینک: چیک یا ڈرافٹ بنام سید محمد کفیل بخاری مدرسہ معمورہ
کرنٹ اکاؤنٹ نمبر 2-3017 یو بی ایل کچہری روڈ ملتان
بذریعہ آن لائن: 2-3017-010 بینک کوڈ: 0165

الداعی الی الخیر

ابن امیر شریعت سید عطاء المہیمن بخاری

امیر
مجلس احرار اسلام
پاکستان

Designed by 0321-6358191